

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مدیر

حافظ ذبیحہ علی زئی

0300-5335233

معاونین

حافظ ندیم ظہیر
0301-6603296

ابو جابر عبداللہ داماد نوی
0300-7062081

محمد صفدر حسروی
ابو خالد شاہر

برائے رابطہ

اعظم بلال
0302-5756937

حافظ طارق مجاہد یزمانی
0345-8737752

اللہ تبارک و تعالیٰ احسن الحديث

الحديث

ماہنامہ

نضر اللہ امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 5 | رجب ۱۴۳۹ھ اگست ۲۰۰۸ء شماره: 8

اسی

شمارے میں

اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہترین چیز خرچ کریں

2 حافظ ندیم ظہیر

4 حافظہ میر علی بی

13 حافظہ میر علی بی

20 حافظہ میر علی بی

37 حافظہ میر علی بی

42 صحیح الاقوال فی استنباط صیام ستہ من شوال حافظہ میر علی بی

49 اللہ تعالیٰ کا احسان اور امام اسحاق بن راہویہ کا حافظہ حافظہ میر علی بی

جہاد کی کئی اقسام ہیں

توضیح الاحکام

نیوی صاحب کی کتاب: آثار السنن پر ایک نظر

اختصار علوم الحدیث (۲)

مکتبہ الحدیث

حضرت ضلع انک

ناشر: حافظ شیر محمد

0300-5288783

تمام اشاعت

مکتبہ الحدیث

حضرت ضلع انک

قیمت

فی شماره: 20 روپے

سالانہ: 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

250 روپے

احسن الحديث

حافظ ندیم ظہیر

اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہترین چیز خرچ کریں

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ تم نیکی کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کے راستے میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے تو اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔ (ال عمران: ۹۲)

فقہ القرآن:

☆ آیت مذکورہ میں ”البر“ سے مراد جنت ہے، جیسا کہ امام بغوی رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی ہے۔ (دیکھئے تفسیر بغوی ۱/۳۲۵) یعنی بہترین و محبوب ترین اشیاء اللہ کے راستے میں خرچ کرنا حصول جنت کا ذریعہ ہے۔

☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار مدینہ میں سے سیدنا ابوطلمہ رضی اللہ عنہ بہت مالدار تھے اور انھیں اپنے مال میں سے بیرحاء (نامی باغ) بہت زیادہ پسند تھا، وہ مسجد (نبوی) کے سامنے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جاتے اور اس کا پاکیزہ پانی پیتے تھے۔ سیدنا انس فرماتے ہیں: جب یہ آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ نازل ہوئی تو سیدنا ابوطلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا: یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ اور بلاشبہ مجھے اپنے مال میں سے بیرحاء بہت محبوب ہے لہذا (اسے) اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور میں اللہ کے پاس اس کے اجر اور اس کے ذخیرے کی امید رکھتا ہوں.... الخ (صحیح بخاری: ۱۴۶۱، صحیح مسلم: ۹۹۸، دارالسلام: ۲۳۱۵)

☆ سیدنا ابوطلمہ رضی اللہ عنہ کا عمل اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔

☆ سورہ بقرہ آیت: ۲۶۷ کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اللہ کے راستے میں پاکیزہ اور بہتر مال

خرچ کیا جائے۔

☆ مال ہو یا اولاد یا کوئی اور چیز جو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے ایک ہی مقصد پیش نظر رہے کہ اللہ راضی ہو جائے۔

☆ بعض لوگ اپنے ذہین و فطین بچے دنیاوی فنون سیکھنے میں اور کند ذہن بچے جو ہر جگہ سے دھتکارے ہوتے ہیں انھیں اسلامی تعلیم کے لئے مدارس میں بھیج دیتے ہیں ایسے حضرات درج بالا آیت کی روشنی میں اپنا محاسبہ کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی گستاخی کرنا حرام ہے

امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

”مَنْ يَبْغِضُ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَيْسَ لَهُ فِي الْفِيءِ نَصِيبٌ“
جو شخص رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے بغض رکھتا ہے تو فیء (مال غنیمت) میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ پھر آپ نے سورۃ الحشر کی تین آیات (۸ تا ۱۰) تلاوت کیں اور فرمایا: ”فَمَنْ يَبْغِضُهُمْ فَلَا حَقَّ لَهُ فِي فِئِ الْمُسْلِمِينَ“ لہذا جو شخص ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) سے بغض رکھتا ہے تو مسلمانوں کے مال غنیمت میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔
(الطیواریات ج ۱ ص ۸۹، ۹۰ ج ۶۹ وسندہ صحیح، حلیۃ الاولیاء ۶/۳۲۷، نیز دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۳۷۲ وسندہ صحیح)

فی اس مال غنیمت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہو جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی کرنے والے لوگ اتنے بڑے گمراہ ہیں کہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے مشہور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مال غنیمت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

اعلان: ماہنامہ الحديث ۴۳ ص ۶۵ پر ”اور شرح ابن عقیل کے مصنف“ کے الفاظ غلطی سے لکھے گئے ہیں لہذا یہ الفاظ کالعدم سمجھے جائیں۔

فقہ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

جہاد کی کئی اقسام ہیں

(۱۵۱) وعن عائشة قالت: تلا رسول الله ﷺ: ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ﴾ وقرأ إلى: ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ قالت قال رسول الله ﷺ: ((فإذا رأيت)) وعند مسلم: ((رأيتم - الذين يتبعون ما تشابه منه فأولئك الذين سمّاهم الله فاحذروهم .)) متفق عليه .

(سیدہ) عائشہ (صدیقہ فخریہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ﴾ [وہ وہی ذات ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیات ہیں] سے لے کر ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ [عقل مندوں کے علاوہ کوئی بھی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ (ال عمران: ۷۰)] تک تلاوت فرمائی۔ (پھر) آپ نے فرمایا: اگر تو ان لوگوں کو دیکھے اور مسلم کی روایت کے مطابق: تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ (آیات) کی پیروی کرتے ہیں تو ان سے بچو، یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے۔ متفق علیہ (صحیح بخاری: ۴۵۴۷، صحیح مسلم: ۲۶۶۵)

فقہ الحدیث

- ① اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اُمت میں بدعتی (مثلاً خوارج وغیرہ) لوگ پیدا ہوتے رہیں گے لیکن ان سے بچنا ضروری ہے۔
 - ② محکم اس آیت کو کہتے ہیں جو ظاہر اور واضح ہو، اُس میں کسی تاویل کی ضرورت نہ ہو مثلاً حلال و حرام، وعدہ و وعید، عذاب و ثواب اور امر و نہی وغیرہ
- متشابہ اس آیت کو کہتے ہیں جس میں مختلف معانی کا احتمال ہو مثلاً حروف مقطعات وغیرہ۔
- دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۳/۳، ۱۱۸) اور فتح الباری (۲۱۰/۸، ۲۱۱، ۴۵۴۷)

③ بعض اہل بدعت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا، آسمان دنیا پر نازل ہونا اور آیات صفات وغیرہ تشابہات میں سے ہیں، اہل بدعت کا یہ دعویٰ مردود ہے اور سلف صالحین سے بھی ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہے۔

④ کتاب وسنت کا وہی مفہوم معتبر ہے جو راسخ فی العلم علماء یعنی ثقہ و صدوق سلف صالحین سے ثابت ہے۔

(۱۵۲) وعن عبد الله بن عمرو قال: هجرت إلى رسول الله ﷺ يوماً، قال: فسمع أصوات رجلين مختلفا في آية فخرج علينا رسول الله ﷺ يعرف في وجهه الغضب فقال: ((إنما هلك من كان قبلكم باختلاف فهم في الكتاب)). رواه مسلم.

(سیدنا) عبد اللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں ایک دن دوپہر کے وقت رسول ﷺ کے پاس گیا تو آپ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جنہوں نے ایک آیت کے بارے میں اختلاف کیا تھا۔ رسول ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں تھے۔ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ کتاب میں اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۶۶)

فقہ الحدیث

① قرآن مجید کے بارے میں اپنی رائے سے ایسا اختلاف کرنا جائز نہیں ہے جس سے جھگڑا اور باہمی نفرت پیدا ہو بلکہ آیات کے مفہوم کو احادیث اور سلف صالحین کے فہم کے مطابق حل کرنا، سمجھنا اور عمل کرنا چاہیے۔

② آیات سے ایسا استدلال جو کفر و شرک یا بدعت کی طرف لے جائے حرام ہے۔

③ کتاب وسنت کے منافی امور پر غیظ و غضب کا اظہار جائز ہے۔

④ گمراہی کی اصل جڑ یہ ہے کہ کتاب وسنت کی غلط تاویل کر کے سلف صالحین کے خلاف استدلال کیا جائے۔

(۱۵۳) وعن سعد بن أبي وقاص قال قال رسول الله ﷺ: ((إِنَّ أَكْبَرَ الْمَسْلَمِينَ فِي الْمَسْلَمِينَ جَرَمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يَحْرَمْ عَلَى النَّاسِ فَحَرَّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ.)) متفق عليه .

(سیدنا) سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں میں سب سے بڑے جرم والا وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں پوچھا جو حرام نہیں ہوئی تھی پھر اس کے پوچھنے کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔ متفق علیہ (صحیح بخاری: ۷۲۸۹، صحیح مسلم: ۲۳۵۸/۱۳۲)

فقہ الحدیث

- ① جس چیز کی ممانعت یا حرام ہونے کا ذکر کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت نہیں ہے تو ایسے دنیاوی امور میں اصل یہ ہے کہ یہ چیزیں مباح ہیں الا یہ کہ شریعت میں اس کی ممانعت وارد ہو۔ دیکھئے فتح الباری (۲۶۹/۱۳)
- ② فضول سوالات کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔
- ③ اس حدیث کا تعلق عہد نبوی یعنی دور نزول وحی کے ساتھ ہے۔
- ④ ایسا کام کرنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو حرام ہے۔
- ⑤ مسئلہ پوچھتے وقت مفاہم عامہ کا خیال ضرور رکھنا چاہئے۔
- ⑥ سیاق و سباق اور حالات کے لحاظ سے بعض اوقات معمولی لغزش بھی بہت سنگین جرم بن جاتا ہے۔

(۱۵۴) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَالُونَ كَذَابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَيَأْكُمُوا وَيَأْهَمُّهُمْ، لَا يَضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتَنُونَكُمْ.)) رواه مسلم .

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں ایسے کذاب دجال ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو

نہ تم نے سُنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباء و اجداد نے سُنی ہوں گی، خبردار! ان سے بچ جانا، یہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔ اسے مسلم (۷) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① ایسی بے سند حدیثیں جو محدثین کی کتابوں میں نہیں ہیں، پیش کرنے والے لوگ اس حدیث کے مخاطب ہیں مثلاً: ”من عرف نفسه فقد عرف ربه“
”لا جمعة إلا بخطبة“

”لو لأك لما خلقت الافلاك“

اور ”أول ما خلق الله نوري“ وغیرہ قسم کی روایات۔

② اہل بدعت کی بنیادی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ یہ لوگ موضوع، بے اصل اور بے سند قسم کی روایتیں بطور حجت پیش کرتے رہتے ہیں۔

③ اہل بدعت سے دور رہنا اور بچنا ضروری ہے۔

④ اس حدیث میں تمہارے سے مراد محدثین کرام (اہل حدیث) ہیں لہذا اس حدیث میں اہل حدیث کی فضیلت ہے۔

⑤ جھوٹی اور بے اصل حدیثیں بیان کرنا حرام ہے۔

⑥ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ اور بہت بڑا جرم ہے جس کے بارے میں بعض محدثین کی تحقیق ہے کہ ایسا کرنے والے کی توبہ دنیا میں قبول نہیں کی جائے گی۔

۱۵۵) وعنه قال: كان أهل الكتاب يقرؤون التوراة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لأهل الإسلام. فقال رسول الله ﷺ: ((لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم و قولوا: ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا ﴾ الآية . رواه البخاري . ان (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے ہی روایت ہے کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی میں اس کی تشریح بیان کرتے تھے پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو اور کہو: ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ

اَلَيْسَا ﴿ الْآيَةُ ﴾ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف بھیجا گیا ہے اُس پر ایمان لائے۔
آخر آیت تک۔ اسے امام بخاری (۵۴۶) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① اہل کتاب سے مراد یہودی ہیں جو عبرانی زبان والی تورات کو مانتے ہیں لیکن یاد رہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں کے پاس تورات اور ان کی مذہبی کتابوں کی صحیح متصل سند موجود نہیں ہے لہذا یہ لوگ اندھیروں میں سرگرداں بھٹک رہے ہیں۔

② اہل کتاب کی جو روایت کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو تو اسے بیان کرنا جائز ہے۔

③ مشکل معاملات جن میں فیصلہ نہ ہو سکے، ان کے بارے میں توقف کرنا ضروری ہے۔

④ کتاب و سنت کے خلاف رائے پیش نہیں کرنی چاہیے۔

⑤ قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھنا جائز ہے بشرطیکہ کتاب و سنت، اجماع اور سلف صالحین کے فہم کو مد نظر رکھا جائے۔

⑥ اہل حق کے مخالفین کی کتابیں پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ پڑھنے والا عالم بالحق ہو اور اس کا مقصد حق کا دفاع اور باطل کا رد ہو۔

(۱۵۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ :

((كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يَحْدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ .)) رواه مسلم .

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرتا پھرے۔ اسے مسلم (۵) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① صرف صحیح روایات بطور استدلال بیان کرنی چاہئیں۔

② ضعیف و مردود روایات بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

③ زندگی گزارنے کا یہ اصول ہونا چاہیے کہ آدمی ہر وقت احتیاط اور تحقیق سے کام لے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ پنجابی زبان کے محاورے ”لائی لگ“ کی طرح ہر سنی سنائی بات کے پیچھے دوڑتا پھرے اور پھر ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے۔

④ حدیث حجت ہے۔

(۱۵۷) وعن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ: ((ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له في أمته حواريون وأصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف يقولون ما لا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون فمن جاهدكم بیده فهو مؤمن ومن جاهدكم بلسانه فهو مؤمن ومن جاهدكم بقلبه فهو مؤمن وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل)) رواه مسلم .

(سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھ سے پہلے جو بھی نبی بھیجا ہے تو اس (نبی) کی امت میں اُس کے حواری ہوتے تھے جو اس کی سنت پر چلتے اور حکم پر عمل کرتے، پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیچھے رہ جاتے تھے جو وہ کہتے تھے اُس پر عمل نہیں کرتے اور وہ کام کرتے جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا لہذا جس نے اپنے ہاتھ کے ساتھ ان سے جہاد کیا تو وہ شخص مؤمن ہے اور جس نے اپنی زبان کے ساتھ اُن سے جہاد کیا تو وہ (بھی) مؤمن ہے اور جس نے دل کے ساتھ (انھیں برا سمجھتے ہوئے) جہاد کیا (یعنی ان سے نفرت کی) تو وہ (بھی) مؤمن ہے۔ اس سے نیچے رائی کے دانے کے برابر (بھی) ایمان نہیں ہے۔ اسے مسلم (۵۰، ترقیم دارالسلام: ۱۷۹) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① نبی ﷺ کے احکامات پر عمل کرنا ضروری ہے۔

② جہاد صرف قتال کا نام نہیں بلکہ اس کی کئی اقسام ہیں، مثلاً حق کی دعوت دینا، اہل بدعت اور گمراہوں کا رد کرنا بھی جہاد ہے۔

- ③ بدعات سے اجتناب ضروری ہے۔
- ④ ایمان کے کئی درجے ہیں، کبھی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی رائی کے دانے کے برابر رہ جاتا ہے۔
- ⑤ اپنی پوری استطاعت کے مطابق نصرت کرنے والے مخلص ترین ساتھی کو حواری کہتے ہیں۔
- ⑥ قرآن وحدیث پر عمل نہ کرنے والے لوگ گمراہ ہیں۔
- ⑦ کفار، مشرکین اور مبتدعین سے نفرت کرنا جزو ایمان ہے۔
- ⑧ صحیح حدیث شرعی حجت ہے۔
- ⑨ منافقت اور دوغلی پالیسی حرام ہے۔
- ⑩ دین میں ایسے کاموں پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جن کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ ایسا کرنے سے سوائے رسوائی اور ناکامی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔
- (۱۵۸) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((من دعا إلى هدى كان من الأجر مثل أجور من تبعه، لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً. ومن دعا إلى ضلالة كان عليه من الإثم مثل آثام من تبعه، لا ينقص ذلك من آثامهم شيئاً.)) رواه مسلم.
- (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی تو اسے ان لوگوں جتنا ثواب ملے گا جو اس ہدایت پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی تو اسے ان لوگوں جتنا گناہ ملے گا جو اس گمراہی پر عمل کریں گے اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔
- اسے مسلم (۲۶۷۴/۱۶) نے روایت کیا ہے۔
- فقہ الحدیث
- ① کتاب وسنت کی طرف دعوت دینا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔

② جو شخص کوئی بُرائی ایجاد کرتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں اس وقت تک گناہ ہی گناہ درج ہوتے رہتے ہیں۔ جب تک لوگ اس بُرائی پر عمل کرتے رہتے ہیں۔

③ ہر وقت اسی بات میں مصروف رہنا چاہیے کہ میرا عمل کتاب و سنت کے مطابق رہے، کہیں کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو جائے۔

④ بدعات سے اجتناب ضروری ہے۔

(۱۵۹) وعنه قال قال رسول الله ﷺ: ((بدأ الإسلام غريباً و سيعود كما بدأ فطوبى للغرباء.)) رواه مسلم .

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام شروع میں اجنبی تھا اور دوبارہ اجنبی ہو جائے گا لہذا اجنبیوں کے لئے خوش خبری ہے۔ اسے مسلم (۲۳۲/۱۴۵) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحديث

① ہر وقت حق پر ڈٹے رہنا چاہیے اگرچہ ساری دنیا بھی حق کے مخالف ہو جائے۔

② دین اسلام اور حق کے مخالفین کی کثرت سے کبھی نہیں گھبرانا چاہیے کیونکہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد والے دور کے علاوہ دنیا میں ہمیشہ اہل ایمان اور اہل حق کی تعداد تھوڑی رہے گی۔

③ جن لوگوں کو اس حدیث میں غرباء (اجنبی) کہا گیا ہے، ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں حدیث میں آیا ہے: ((ناس صالحون قليل في ناس سوء كثير، من يعصيهما أكثر ممن يطيعهما.)) بہت زیادہ بُرے لوگوں میں (رہنے والے) تھوڑے سے نیک لوگ ہیں، ان کی اطاعت کرنے والوں کے مقابلے میں نافرمانی کرنے والے زیادہ ہوں گے۔ (کتاب الزہد لئلام عبد اللہ بن المبارک: ۷۵ء وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ غرباء سے وہ صحیح العقیدہ تبعین کتاب و سنت مراد ہیں جن کی مخالفت کرنے والے اکثریت میں ہوتے ہیں، اس سے کوئی خاص پارٹی مراد نہیں ہے۔

(۱۶۰) وعنه قال قال رسول الله ﷺ: ((إن الإيمان ليأرز إلى المدينة

كما تأرز الحية إلى جحرها .)) متفق عليه .

وسند كرح حدیث أبی هريرة : ((ذروني ما تركتكم)) في كتاب المناسك وحديثي معاوية وجابر : ((لا يزال من أمتي)) و [الآخر] : ((لا يزال طائفة من أمتي)) في باب : ثواب هذه الأمة إن شاء الله تعالى .

أنھی (سیدنا ابو هريره رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان مدینے کی طرف اس طرح سمٹ جائے گا جس طرح سانپ اپنے سوراخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ (صحیح بخاری: ۱۸۷۶، صحیح مسلم: ۲۳۳/۱۳۷)

ہم ابو هريره (رضی اللہ عنہ) کی حدیث ((ذروني ما تركتكم)) کتاب المناسک (ج ۲۵۰۵) میں، معاویہ اور جابر (رضی اللہ عنہما) کی دو حدیثیں ((لا يزال من أمتي)) (ج ۶۲۷، ۵۵۰۷) اور ((لا يزال طائفة من أمتي)) ثواب هذه الأمة کے باب (۶۲۸۳) میں ذکر کریں گے۔

فقہ الحدیث

- ① معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے ایک دور ایسا بھی آئے گا جب ہر طرف گمراہی اور کفر کا دور دورہ ہوگا لیکن مدینہ طیبہ اس فتنے سے محفوظ رہے گا۔
- ② قیامت تک ہر دور میں امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہے گا۔
- ③ تشبیہ کے لئے مشبہ بہ اور مشبہ کا ہر صفت میں ایک ہونا ضروری نہیں ہے۔
- ④ دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔
- ⑤ بعض علماء کے نزدیک مدینہ مکہ دونوں شہر اور حجاز کا علاقہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ واللہ اعلم
- ⑥ مومن کو ہر وقت اپنا ایمان بچانے کی فکر میں رہنا چاہیے۔
- ④ سانپ سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سانپ اگر اپنے سوراخ میں داخل ہو جائے تو اس کے دشمن ناکام رہتے ہیں، اسی طرح دجال و کفار مدینہ طیبہ پر قبضے میں ناکام رہیں گے اور اللہ تعالیٰ اہل مدینہ کو اپنی حفاظت میں رکھے گا۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

عبداللہ بن سبا کون تھا؟

سوال: بعض لوگ عبداللہ بن سبا یہودی کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس سوال کا مفصل جواب بیان فرمائیں تاکہ اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

(خالد بن علی گوہر دایو، ملخصاً)

الجواب: عبداللہ بن سبا یہودی کا وجود ایک حقیقت ہے جس کا ثبوت صحیح بلکہ متواتر روایات سے ثابت ہے مثلاً:

① امام احمد بن زہیر بن حرب عرف ابن ابی خيثمة فرماتے ہیں: ”حدثنا عمرو بن مرزوق قال: ناسعة عن سلمة بن كهيل عن زيد بن وهب قال قال علي: مالي ولهذا الخبيث الأسود - يعني عبد الله بن سبا - وكان يقع في أبي بكر وعمر.“ سيدنا علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اس کا لے خبیث یعنی عبداللہ بن سبا کا میرے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اور وہ (ابن سبا) ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کو برا کہتا تھا۔

(التاريخ الكبير لابن أبي خيثمة ص ۵۸۰ ج ۱۳۹۸، وسنده صحیح)

② حجة الكندی سے روایت ہے کہ (سیدنا) علی علیہ السلام نے منبر پر فرمایا: یہ کال ابن السوداء اللہ اور رسول پر جھوٹ بولتا ہے۔ الخ (الجزء الثالث والعشرون من حديث ابی الطاهر محمد بن احمد بن عبد اللہ بن نصر الذہلی: ۱۵۷، وسنده حسن، تاريخ ابن أبي خيثمة: ۱۳۹۸، تاريخ دمشق ۶/۳۱)

ابن السوداء سے مراد ابن سبا ہے۔

③ عبید اللہ بن عتبہ (بن مسعود) رحمہ اللہ نے فرمایا: ”إني لست بسبائي ولا حروري“ میں نہ تو سبائی (عبداللہ بن سبا والا یعنی شیعہ) ہوں اور نہ حروری (خارجی) ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۹۹، ۳۰۰ ج ۳۱۲۷، دوسرا نسخہ ج ۶۱ ص ۳۱۷، وسنده صحیح)

④ امام یزید بن زریج رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۲ھ) نے فرمایا: ”ثنا الکلبی وکان سبائیاً“ ہمیں (محمد بن السائب) الکلبی نے حدیث بیان کی اور وہ سبائی (یعنی عبد اللہ بن سبا کی پارٹی میں سے) تھا۔ (اکاٹ لابن عدی ج ۶ ص ۲۱۲۸ و سندہ صحیح، دوسرے نسخہ ج ۷ ص ۲۷۵)

⑤ محمد بن السائب الکلبی نے کہا: ”أنا سبائي“ میں سبائی ہوں۔

(الضعفاء للعقيلي ۷/۴۷ و سندہ صحیح، المعجزین لابن حبان ۲/۲۵۳ و سندہ صحیح)

لفظ سبائی کی تشریح میں امام ابو جعفر العقيلي رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”هم صنف من الرافضة أصحاب عبد الله بن سبا“

یہ رافضیوں کی ایک قسم ہے، یہ عبد اللہ بن سبا کے پیروکار ہیں۔ (الضعفاء الکبیر ۷/۷۷)

⑥ امام عامر بن شراحیل الشعمی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۴ھ) نے فرمایا:

”فلم أرقوفاً أحقق من هذه السبئية“ میں نے ان سبائیوں سے زیادہ احق کوئی قوم

نہیں دیکھی۔ (اکاٹ لابن عدی ۶/۲۱۲۸ و سندہ صحیح، دوسرے نسخہ ج ۷ ص ۲۷۵)

⑦ امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے ایک ثقہ راوی عبد اللہ بن محمد بن علی بن ابی طالب

کے بارے میں فرمایا: ”وكان عبد الله يتبع السبائية“ اور عبد اللہ سبائیوں کے پیچھے

چلتے تھے۔ (التاریخ الکبیر للبخاری ۵/۱۸۷ و سندہ صحیح)

سبائیوں سے مراد رافضیوں (شیعوں) کی ایک قسم ہے۔ (تہذیب الکمال ج ۱ ص ۵۱۳)

⑧ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا:

”وكان الكلبی سبئياً من أصحاب عبد الله بن سبا...“

اور کلبی سبائی تھا، وہ عبد اللہ بن سبا کے پیروکاروں میں سے تھا... (المعجزین ۲/۲۵۳)

⑨ ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے کہا:

”ثم السبئية إذ غلت في الكفر فزعمت أن علياً إلهها حتى حرقهم

بالنار...“ پھر سبائی ہیں، جب انھوں نے کفر میں غلو کیا تو یہ دعویٰ کیا کہ علی اُن کے الہ

(معبود) ہیں حتیٰ کہ انھوں (علی رضی اللہ عنہ) نے ان لوگوں کو جلادیا۔ (احوال الرجال ص ۳۷)

⑩ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اعمش کے شاگرد ابوسلمان یزید نامی راوی کے بارے میں فرمایا: ”وہو سبائی“ اور وہ سبائی ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایت الدوری: ۲۸۷۰) ان کے علاوہ اور بھی کئی حوالے ہیں جن سے عبد اللہ بن سبا یہودی کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ اہل سنت کی اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی ابن سبا کا تذکرہ موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۳/۳۱) میزان الاعتدال (۲/۲۶۶) لسان المیزان (۲۸۹/۳)، دوسرا نسخہ (۲۲/۴) وغیرہ۔

فروق پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی عبد اللہ بن سبا اور سبائیوں کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے ابوالحسن الاشعری کی کتاب ”مقالات الاسلامیین“ (ص ۸۶) الملل والنحل للشہرستانی (ج ۲ ص ۱۱) اور الفصل فی الملل والاهواء والنحل (۱۸۰/۴) وغیرہ۔ حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں: ”وقالت السبائية أصحاب عبد الله بن سبا الحميري اليهودي مثل ذلك في علي بن ابي طالب رضي الله عنه“ اور سبائیوں: عبد اللہ بن سبا حمیری یہودی کے پیروکاروں نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسی طرح کی باتیں کہی ہیں۔ (الفصل فی الملل ۱۸۰/۴)

ابوالحسن الاشعری فرماتے ہیں: ”والصنف الرابع عشر من أصناف الغالية وهم السبئية أصحاب عبد الله بن سبا يزعمون أن علياً لم يمت وأنه يرجع إلى الدنيا قبل يوم القيامة ...“ غالیوں میں سے چودھویں قسم سبائیوں کی ہے جو عبد اللہ بن سبا کے پیروکار ہیں، وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) فوت نہیں ہوئے اور بے شک وہ قیامت سے پہلے دنیا میں واپس آئیں گے (مقالات الاسلامیین ص ۸۶)

حافظ ذہبی نے عبد اللہ بن سبا کے بارے میں لکھا ہے کہ ”من غلاة الزنادقة ضال مضل“ وہ غالی زندقوں میں سے (اور) ضال مضل تھا۔ (میزان الاعتدال ۲/۲۶۶) اہل سنت کا عبد اللہ بن سبا کے وجود پر اجماع ہے، کوئی اختلاف نہیں۔

شیعہ فرقے کے نزدیک بھی عبد اللہ بن سبا کا وجود ثابت ہے جس کی دس (۱۰) دلیلیں

پیش خدمت ہیں:

۱: امام ابو عبد اللہ (جعفر بن محمد بن علی الصادق) رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ”لعن اللہ عبد اللہ بن سبا انہ ادعی الربوبیۃ فی امیر المؤمنین (ع) وكان واللہ امیر المؤمنین (ع) عبدًا للہ طائعًا، الولیل لمن کذب علینا، وإن قومًا یقولون فینا مالا نقوله فی أنفسنا، نبرأ إلی اللہ منهم، نبرأ إلی اللہ منهم“
عبد اللہ بن سبا پر اللہ لعنت کرے اُس نے امیر المؤمنین (علی علیہ السلام) کے بارے میں ربوبیت (رب ہونے) کا دعویٰ کیا، اللہ کی قسم! امیر المؤمنین (علی علیہ السلام) تو اللہ کے طاعت شعار بندے تھے، بتاہی ہے اس کے لئے جو ہم پر جھوٹ بولتا ہے، بے شک ایک قوم ہمارے بارے میں ایسی باتیں کرے گی جو ہم اپنے بارے میں نہیں کرتے، ہم ان سے بری ہیں ہم ان سے بری ہیں۔ (رجال کشی ص ۱۰۷، روایت نمبر ۱۷۲)

اس روایت کی سند شیعہ اسماء الرجال کی رو سے صحیح ہے۔ محمد بن قولویہ القمی، سعد بن عبد اللہ بن ابی خلف القمی، یعقوب بن یزید، محمد بن عیسیٰ بن عبید، علی بن مہزیار، فضالہ بن ایوب الازدی اور ابان بن عثمان یہ سب راوی شیعوں کے نزدیک ثقہ ہیں۔
دیکھئے مامقانی کی تنقیح المقال (جلداول)

۲: ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ (علی علیہ السلام) کو اپنے شاگردوں کے سامنے عبد اللہ بن سبا اور امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کے بارے میں اس کے دعویٰ ربوبیت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا: اس نے جب یہ دعویٰ کیا تو امیر المؤمنین (علی علیہ السلام) نے اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا، اس نے انکار کر دیا تو انھوں نے اُسے آگ میں جلا دیا۔ (رجال کشی ص ۱۰۷، روایت: ۱۷۱، سندہ صحیح عند الشیعہ)

اس روایت کی سند بھی شیعہ اصول کی رو سے صحیح ہے۔

۳: اسماء الرجال میں شیعوں کے امام کشی نے لکھا ہے:

”ذکر بعض أهل العلم أن عبد الله بن سبا كان يهوديًا فأسلم ووالی علیاً“

(ع) و كان يقول و هو على يهوديته في يوشع بن نون وصي موسى بالغلو ، فقال في اسلامه بعد وفات رسول الله (ص) في علي (ع) مثل ذلك ، وكان أول من شهر بالقول بفرض امامة علي وأظهر البراءة من أعدائه وكاشف مخالفيه و أكفرهم فمن ههنا قال من خالف الشيعة : أصل التشيع والرفض مأخوذ من اليهودية “

بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا پھر اسلام لے آیا اور علی (علیہ السلام) سے والہانہ محبت کی، وہ یہودیت میں غلو کرتے ہوئے یوشع بن نون کے بارے میں کہتا تھا: وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے وصی تھے، پھر مسلمان ہونے کے بعد وہ علی (علیہ السلام) کے بارے میں اس طرح کہنے لگا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد آپ وصی ہیں۔

سب سے پہلے علی کی امامت کی فرضیت والا قول اُسی نے مشہور کیا اور آپ کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا، آپ کے مخالفین سے کھلم کھلا دشمنی کی اور انھیں کافر کہا، اس وجہ سے جو لوگ شیعوں کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں: شیعوں اور رافضیوں کی اصل یہودیت میں سے ہے۔ (رجال کشی ص ۱۰۸، ۱۰۹)

۴: شیعوں کے ایک مشہور امام ابو محمد حسن بن موسیٰ النوبختی نے لکھا ہے:

”وحكى جماعة من أهل العلم من أصحاب علي عليه السلام : أن عبد الله ابن سبا كان يهودياً فأسلم و والى علياً عليه السلام و كان يقول و هو على يهوديته في يوشع بن نون بعد موسى عليه السلام بهذه المقالة فقال في اسلامه بعد وفاة النبي صلى الله عليه وآله وسلم في علي عليه السلام بمثل ذلك وهو أول من شهر القول بفرض امامة علي عليه السلام وأظهر البراءة من أعدائه و كاشف مخالفيه فمن هناك قال من خالف الشيعة : أن الرفض مأخوذ من اليهودية “

علی علیہ السلام کے شاگردوں (اور تبعین) میں سے علماء کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ

بن سبا یہودی تھا پھر اسلام لے آیا اور علیؑ سے والہانہ محبت کی، وہ اپنی یہودیت میں موسیٰؑ کے بعد یوشع بن نون کے بارے میں ایسا کلام کرتا تھا پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد علیؑ کے بارے میں ایسی بات کہی، سب سے پہلے علیؑ کی امامت کی فرضیت کا قول اس نے مشہور کیا، اس نے آپ کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا اور آپ کے مخالفین سے کھلم کھلا دشمنی کی، اس وجہ سے جو شیعہ کا مخالف ہے وہ کہتا ہے: رافضیوں کی اصل یہودیت سے نکالی گئی ہے۔ (فرق الشیعہ للبوختی ص ۲۲)

تنبیہ: یہ نسخہ سید محمد صادق آل بحر العلوم کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ مکتبہ مرتضویہ اور مطبعہ حیدریہ نجف (العراق) سے چھپا ہوا ہے۔

۵: شیعوں کے ایک مشہور امام مامقانی نے اسماء الرجال کی کتاب میں لکھا ہے: ”عبد اللہ بن سبا ملعون حرقہ علی“ عبد اللہ بن سبا ملعون ہے، اسے علیؑ نے جلادیا تھا۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۸۹ راوی نمبر ۶۸۷)

۶: ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے لکھا ہے:

”عبد اللہ بن سبا الذي رجع إلى الكفر وأظهر الغلو“

عبد اللہ بن سبا جو کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا۔ (رجال الطوسی ص ۵۱)

۷: حسن بن علی بن داود الحلی نے کہا:

”عبد اللہ بن سبا ی [جج] رجع إلى الكفر و أظهر الغلو [کش] کان يدعی النبوة و أن علیاً علیہ السلام هو اللہ ...“

عبد اللہ بن سبا کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا، وہ نبوت کا دعویٰ کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ علیؑ اللہ ہیں۔ (کتاب الرجال ص ۲۵۴، الجزء الثاني)

۸ تا ۱۰: دیکھئے المقالات والفرق لسعد بن عبد اللہ الأشعری القمی (ص ۲۱ بحوالہ الشیعہ والتشیع للآستاذ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ ص ۵۹)

قاموس الرجال للتستری (ج ۵ ص ۲۶۳ بحوالہ الشیعہ والتشیع)

معجم رجال الحديث للبخاری (ج ۱۰ ص ۲۰۰ بحوالہ شیعیت تصنیف ڈاکٹر محمد البنداری، مترجم اردو ص ۵۶)
خلاصۃ التحقيق:

معلوم ہوا کہ اہل سنت کی مستند کتابوں اور شیعہ اسماء الرجال کی رو سے بھی عبداللہ بن سبا یہودی کا وجود حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں لہذا بعض گمراہوں اور کذابین کا چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں ابن سبا کے وجود کا انکار کر دینا بے دلیل اور جھوٹ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ وما علينا إلا البلاغ (۱۱ جون ۲۰۰۸ء)

اہل بیت میں ازواج مطہرات شامل ہیں

سوال: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کے اہل بیت کو پاک کر دیا ہے۔ سورة الاحزاب (آیت: ۳۳)
اس پاک کرنے کا کیا مطلب ہے کیوں کہ اس آیت کو بنیاد بنا کر ائمہ معصومین کا عقیدہ گھڑا گیا ہے۔ (ایک سائل)
الجواب: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”نزلت فی نساء النبی ﷺ، یہ آیت خاص طور پر نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم و تفسیر ابن کثیر ۳/ ۴۹۱، دوسرا نسخہ ۵/ ۱۶۹)
اس کی سند ”حسن“ ہے، اس کے راوی امام عکرمہ اس بات پر مبالغہ کرنے کو تیار تھے کہ اس آیت سے مراد ازواج نبی ﷺ ہیں۔

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ بیویاں اہل بیت میں شامل ہوتی ہیں۔ (دیکھیں سورہ ہود: ۷۱-۷۳)
آیت مذکورہ میں طہارۃ سے معصومین مراد لینا نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے نہ تابعین اور نہ ائمہ اہل سنت سے ثابت ہے بلکہ تطہیر سے گناہ، شرک، شیطان، افعال خبیثہ اور اخلاق ذمیرہ سے طہارت مراد ہے۔ دیکھئے احکام القرآن للقاضی ابی بکر بن العربی ص ۴۲۹
عقیدہ ائمہ معصومین صرف روافض کا من گھڑت عقیدہ ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

نیروی صاحب کی کتاب: آثار السنن پر ایک نظر

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسولہ الامين ، أما بعد :
محمد ظہیر احسن شوق بن سبحان علی نیروی صاحب نے فقہ حنفی کی تائید میں ایک کتاب
”آثار السنن“ مع التعلیق لکھی ہے جسے بعض تقلیدی مدارس میں پڑھایا بھی جاتا ہے۔
آثار السنن کی تعلیق کے شروع میں نیروی صاحب فرماتے ہیں:

”إني رأيت ذات ليلة في المنام أني أحمل فوق رأسي جنازة النبي عليه الصلوة
والسلام فعبرت عن هذه الرؤيا الصالحة بأن أكون حاملاً لعلمه إن شاء الله
العلام .“ میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ اپنے سر
پر اٹھائے جا رہا ہوں پھر میں نے اس نیک خواب کی یہ تعبیر کی کہ میں آپ (ﷺ) کے علم کا
حامل بنوں گا۔ ان شاء اللہ (آثار السنن ص ۱۱)

نیروی صاحب نے جو تعبیر بیان کی ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ان کی اس کتاب
سے مذکورہ تعبیر کی تائید ہوتی ہے بلکہ اس خواب کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ نیروی صاحب نے
تاویلاتِ فاسدہ، تصحیح احادیثِ ضعیفہ، تضعیف احادیثِ صحیحہ اور ثقہ و صدوق راویوں پر طعن و
تشنیع کے ذریعے سے نبی ﷺ کی احادیث کا جنازہ نکالنے کی کوشش کی ہے۔ (استغفر اللہ)
عبدالغنی نابلسی نامی ایک شخص، جس کا اہل بدعت کے نزدیک بڑا مقام ہے نے لکھا ہے کہ
”ومن رأى أنه حمل جنازة: أصاب مالا حراماً“

اور جس نے (خواب میں) دیکھا کہ اُس نے جنازہ اٹھایا ہے تو اُسے حرام مال ملے گا۔

(تعطیر الانام فی تعبیر المنام ص ۱۳۱ رقم ۵۶۶)

اللہ کے فضل و کرم سے راقم الحروف نے عربی زبان میں آثار السنن کا جائزہ اور تحقیق
”انوار السنن“ کے نام سے لکھی ہے اور یہ کتاب مع آثار السنن بعض فارغ التحصیل طلباء کو

پڑھائی بھی ہے جس کا ریکارڈ ہمارے پاس آڈیو کیسٹوں کی صورت میں موجود ہے۔
تدریس کے دوران میں یہ پروگرام بنا کہ علماء، طلباء اور عام لوگوں کے لئے نیوی
صاحب کے بعض تناقضات اور علمی اغلاط کو بحوالہ پیش کر دیا جائے تاکہ آثار السنن اور اس
کے مصنف کا اصلی چہرہ واضح ہو جائے۔

تنبیہ بلیغ: حوالہ دیکھنے کے شائقین کی خدمت میں عرض ہے کہ تمام حوالے محمد اشرف
دیوبندی کی تصحیح و تحقیق والے نسخے سے مع حدیث نمبر پیش کئے گئے ہیں جسے مکتبہ حسینیہ قذافی
روڈ گرجا کھ گوجرانوالہ سے ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۹۹۱ء کو شائع کیا گیا ہے۔ بعض جگہ دوسرے
نسخوں میں ایک دو حدیث کا اختلاف ہوتا ہے لہذا حوالہ چیک کرتے وقت اپنے اپنے نسخے
میں ایک دو نمبر آگے پیچھے بھی دیکھ لیں تاکہ حوالہ مل جائے۔

تناقضات

نیوی صاحب نے کئی دفعہ ایک ہی راوی کی حدیث کو (جب مرضی کے خلاف تھی تو)
ضعیف قرار دیا ہے اور دوسری جگہ اُسی راوی کی حدیث کو (جو مرضی کے مطابق تھی) صحیح
و حسن قرار دیا یا نقل کر کے سکوت کیا ہے، جس کی دس (۱۰) مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱: سیدنا جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد عیسیٰ بن جاریہ تابعی رحمہ اللہ
نے ایک حدیث بیان کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے تراویح کی آٹھ
رکعتیں پڑھی تھیں، اس حدیث کے بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں:

”وفي إسناد هـ لين“ اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔ (آثار السنن ج ۳ ص ۷۳۹)
اس کے حاشیے ”تعلیق الحسن“ میں نیوی صاحب نے عیسیٰ بن جاریہ پر امام ابن معین،
امام نسائی، امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر کی جرح اور ابو زرہ و ابن حبان کی توثیق نقل کر کے
فیصلہ کر دیا ہے کہ اس حدیث کی سند وسط (درمیانے درجے: حسن) سے گری ہوئی ہے۔

دوسرے مقام پر نیوی صاحب نے مسند ابی یعلیٰ (ج ۳ ص ۳۳۵ ح ۱۷۹۹) کی

ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے: ”رواہ أبو یعلیٰ وإسناده صحیح“ اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ج ۹ ص ۶۰ عن جابر رضی اللہ عنہ) حالانکہ ابو یعلیٰ کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ کا نام صاف صاف لکھا ہوا ہے۔ مؤدبانہ عرض ہے کہ جو راوی آٹھ تراویح والی حدیث میں منکر الحدیث وغیرہ ہے (!) وہ خطبہ کے دوران میں ممانعت کلام والی حدیث میں کس طرح ”صحیح الحدیث“ ہو گیا ہے؟ تنبیہ: عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں حق یہی ہے کہ وہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث ہیں۔ دیکھئے ماہنامہ الحديث حضرو: ۴۷ ص ۲۲ تا ۲۳، اور میری کتاب ”تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات“ (ج ۱ ص ۵۲۵)

۲: جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق راوی العلاء بن صالح نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے آمین بالجہر کہی۔ دیکھئے الخلائیات للبیہقی (قلمی ۵۱/الف) اس روایت کا جواب دیتے ہوئے نیوی صاحب نے العلاء بن صالح کو ثقہ ثبت راویوں سے باہر نکال کر امام ابن المدینی سے نقل کیا ہے کہ ”روی أحادیث مناکیر“ اس نے منکر حدیثیں بیان کی ہیں۔ (دیکھئے آثار السنن، حاشیہ حدیث: ۳۸ ص ۱۹۵) دوسرے مقام پر علاء بن صالح کی قنوت و تراویح والی حدیث کے بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں: ”آخرجه السراج وإسناده حسن“ اسے سراج (ص ۴۰۸ ج ۱۳ ص ۳۳) مسند السراج نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۶۲۷) ”منکر حدیثیں“ بیان کرنے والا اور ”شیعہ“ راوی اپنی مرضی والی حدیث میں حسن الحدیث ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ!

۳: ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلامی نامی ایک متروک و متہم راوی نے خفیوں کے خلاف ایک روایت بیان کی ہے جس پر جرح کرتے ہوئے نیوی صاحب نے ابن ابی یحییٰ مذکور کو متروک قرار دینے کے ساتھ اس پر کذاب وغیرہ کی جرحیں نقل کی ہیں۔

(آثار السنن حاشیہ حدیث: ۵۲۴ ص ۲۶۵)

دوسری طرف ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر کنکریاں ڈالی تھیں، اسے امام شافعی نے (مسند شافعی ج ۱ ص ۲۱۵ ح ۵۹۹) ”أخبرنا إبراہیم بن محمد عن محمد بن جعفر بن محمد عن أبيه“ کی سند سے روایت کیا ہے۔
(نیز دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۴۱۱ مع الجوهرائی، کتاب الام للشافعی ج ۱ ص ۲۷)

اس روایت کے بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں:

”وإسناده مرسل جيد“ اور اس کی سند مرسل اچھی (عمدہ) ہے۔ (آثار السنن: ۱۱۰۴)
اگر گستاخی نہ ہو تو عرض ہے کہ متروک و کذاب راوی کی مرسل کس طرح جید (اچھی) ہو سکتی ہے؟

۴: جمہور کے نزدیک ایک موثق راوی ابو غالب نے ایک ایسی روایت بیان کی ہے جس سے ایک وتر پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس روایت پر جرح کرتے ہوئے نیوی صاحب نے ابو غالب مذکور پر میزان الاعتدال سے ”فیہ شی“ اور بیہقی سے ”غیر قوی“ کی جرح نقل کی ہے۔ (آثار السنن حاشیہ حدیث ۶۰۶ ص ۳۱۲)

آگے چلئے، ابو غالب مذکور نے وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعتوں والی حدیث بیان کی ہے جس میں سورۃ زلزال اور سورۃ الکافرون کی قراءت کی جاتی ہے۔

نیوی صاحب فرماتے ہیں: ”رواہ أحمد والطحاوي وإسناده حسن“

اسے احمد (۲۶۰/۵) اور طحاوی (شرح معانی الآثار ۱/۲۳۷، دوسرا نسخہ ۳۴۱/۱) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۶۷۱ عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ)

معلوم ہوا کہ ابو غالب مذکور جب ایک وتر والی روایت میں ہوں تو قوی نہیں ہیں اور اگر مرضی والی روایت میں ہوں تو حسن الحدیث ہیں۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے!
۵: عمرو بن مرہ (ثقة) نے عبد اللہ بن سلمہ سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ ہمیں عبد اللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے دوپہر (یا چاشت) کے وقت نماز جمعہ پڑھائی اور فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں گرمی کا ڈر تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۷۰ ح ۵۱۳۲ وسندہ حسن)

نیوی صاحب نے اس روایت کو ”لیس بالقوی“ یہ قوی نہیں ہے، کہتے ہوئے
عبداللہ بن سلمہ پر تغیر (اختلاط) کی جرح کر دی ہے۔ (آثار السنن: ۹۲۰ عن عبداللہ بن سلمہ الخ)
دوسرے مقام پر یہی نیوی صاحب ایک لمبی روایت جس میں سیدنا سعد بن ابی وقاص
رضی اللہ عنہ کے ایک وتر پڑھنے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر سوال کرنے کا ذکر ہے، کے بارے میں لکھتے
ہیں: ”رواہ الطحاوی وإسناده حسن“ اسے طحاوی (۲۰۳/۱، دوسرا نسخہ ۲۹۵) نے
روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۹۰۵ عن عبداللہ بن سلمہ الخ)
یاد رہے کہ یہ روایت عبداللہ بن سلمہ سے عمرو بن مرہ ہی نے بیان کر رکھی ہے۔
نیز دیکھئے آثار السنن (ح ۱۰۸)

۶: حسن بن ذکوان نامی ایک راوی نے عن کے ساتھ مروان الاصفہر سے ایک روایت بیان
کی ہے جس میں آیا ہے کہ (سیدنا) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے قبلے کی طرف رخ کر کے
پیشاب کیا تھا۔ (سنن ابی داود: ۱۱)

اس روایت کے بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں: ”وإسناده حسن“
اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۷۳)

نیوی صاحب دوسری جگہ اپنا لکھا ہوا بھول کر ایک حدیث کے بارے میں فرماتے
ہیں: حسن بن ذکوان سچے ہیں، غلطیاں کرتے تھے، ان پر قدریہ میں سے ہونے کا الزام
ہے اور وہ تدلیس کرتے تھے۔ (آثار السنن: ۳۳ ص ۷۳۶ بحوالہ تقریب التہذیب)
عرض ہے کہ جب وہ تدلیس کرتے تھے تو ان کی بیان کردہ (سنن ابی داود: ۱۱، وغیرہ
والی) روایت جس میں تصریح سماع نہیں ہے، کیوں کر حسن ہو گئی؟

۷: سعید بن ابی عروبہ مشہور ثقہ مدلس راوی ہیں جنہیں حافظ ابن حجر العسقلانی نے طبقہ ثانیہ
میں ذکر کیا ہے۔ دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (۲/۵۰ ص ۳۹)
حالانکہ وہ قول رائج میں طبقہ ثالثہ میں سے ہیں۔

سعید بن ابی عروبہ کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:
 ”کثیر التدلیس رواہ بالعنعنة“ وہ بہت زیادہ تدلیس کرتے تھے، انھوں نے اسے عن
 سے روایت کیا ہے۔ (آثار السنن ج ۵۵۰ کا حاشیہ ص ۲۸۹)
 دوسری طرف ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی (تین رکعتوں میں) صرف
 آخری رکعت میں سلام پھیرتے تھے۔

(سنن النسائي ۲۳۵۲، ۲۳۶، ۲۳۷، ۱۷۰۲، السنن الكبرى للنسائي: ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، عمل اليوم والليلة للنسائي: ۷۴۰)
 یہ روایت سعید بن ابی عروبہ نے ”عن قتاده عن عذرة عن سعيد بن عبد الرحمن بن
 أبزي عن أبيه عن أبي بن كعب“ کی سند سے بیان کر رکھی ہے اور نیموی صاحب لکھتے
 ہیں: ”رواه النسائي وإسناده حسن“ اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند
 حسن ہے۔ (آثار السنن: ۶۱۱)

اس میں عبد العزیز بن خالد کے تفرد سے قطع نظر عرض ہے کہ سعید بن ابی عروبہ نے یہ
 روایت عن کے ساتھ بیان کر رکھی ہے لہذا اس کی سند حسن کس طرح ہوگئی جبکہ بقول نیموی
 سعید بن ابی عروبہ کثیر التدلیس ہیں اور مدلس راوی کے بارے میں نیموی صاحب بذات خود
 لکھتے ہیں کہ مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی۔
 دیکھئے آثار السنن (حاشیہ حدیث: ۳۵۳ ص ۱۶۰)

۸: امام نعیم بن حماد المروزی ایک مظلوم محدث ہیں جن کے خلاف اہل الرائے جھوٹا
 پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ نعیم بن حماد رحمہ اللہ ایک ایسی روایت کی سند میں آگئے جو نیموی
 صاحب کو پسند نہیں ہے لہذا انھوں نے نعیم مظلوم کو شدید جروح کا نشانہ بنایا اور ابن الترمذی
 حنفی سے نقل کیا کہ ازدی اور ابن عدی نے اس کے بارے میں کہا: لوگ کہتے ہیں کہ وہ
 تقویت سنت میں حدیث گھڑتا تھا۔ الخ (آثار السنن کی حدیث ۹۷۷ کا حاشیہ ص ۲۸۹)
 ازدی بذات خود ضعیف ہے اور ابن عدی سے یہ جرح ثابت ہی نہیں بلکہ وہ تو امام نعیم
 بن حماد کا دفاع کرتے تھے۔

دیکھئے میری کتاب ”علمی مقالات“ (ج ۱ ص ۳۴۹ تا ۳۶۷ عموماً، ص ۴۵۸ خصوصاً) دوسری طرف حاکم نیشاپوری نے المستدرک (ج ۱ ص ۳۵۳ ج ۲ ص ۱۳۰۵) میں نعیم بن حماد کی سند سے ایک حدیث بیان کی ہے، جسے نقل کرنے کے بعد نیموی صاحب لکھتے ہیں:

”رواہ الحاکم فی المستدرک وقال: حدیث صحیح“ اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا: حدیث صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۱۰۵۱ عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ)

کیسا نرا اصول ہے کہ نعیم بن حماد رحمہ اللہ ایک روایت میں مجروح اور دوسری میں صحیح الحدیث بن جاتے ہیں!

۹: ایک روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:

”ورجالہ ثقات إلا یحیی بن أبی کثیر یدلس“ اور اس کے راوی ثقہ ہیں سوائے یحییٰ بن ابی کثیر کے، وہ تدلیس کرتے تھے۔ (آثار السنن: ۲۰ عن زید بن اسلم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

تھوڑا سا آگے چلیں، اسی آثار السنن میں بحوالہ السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۵۲/۳) ایک روایت مذکور ہے جسے یحییٰ بن ابی کثیر نے عن کے ساتھ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ نیموی صاحب لکھتے ہیں: ”رواہ البیہقی و إسناده حسن“ اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۸۳۹ عن انس رضی اللہ عنہ)

۱۰: قاضی شریک بن عبد اللہ الکوفی نے ایک روایت بیان کی ہے جو کہ نیموی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے لہذا نیموی صاحب نے لیس بالقوی اور لین الحدیث (ضعیف) کہہ کر قاضی شریک کو اپنی جرح کا نشانہ بنایا ہے۔ (دیکھئے آثار السنن حدیث: ۳۲ مع حاشیہ، ص ۳۱)

روایت مذکورہ کے بارے میں نیموی صاحب کہتے ہیں: ”وإسناده ضعيف ورفعه وهم“ اور اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا مرفوع ہونا وہم ہے۔ (آثار السنن: ۳۲)

دوسری طرف ایک روایت میں آیا ہے کہ (سیدنا) ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اذان دوہری اور اقامت دوہری کہتے تھے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۹۵، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۱۳۶)

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ”رواہ الطحاوی وإسناده

حسن“ اسے طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۲۳۹)
 نیموی صاحب نے قاضی شریک کی بیان کردہ کچھ اور روایتوں کو بھی حسن قرار دیا ہے۔
 دیکھئے آثار السنن: ۲۴۱، ۳۲۰، ۱۰۹۳

کیا انصاف اسی کا نام ہے کہ اگر مرضی کی روایت ہو تو راوی حسن الحدیث یا صحیح الحدیث
 ہوتا ہے اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو وہی راوی ضعیف الحدیث وغیرہ بن جاتا ہے۔!؟
 قارئین کرام اس طرح کے اور بھی کئی حوالے ہیں مثلاً:

۱: محمد بن اسحاق بن یسار

(صحیح: ۸۳۳، ۹۱۳، حسن: ۳۹، ۲۶۳، ۳۲۹، ۸۴۹، ۱۰۸۱، ضعف: ۲۳۲، ۳۵۳، ۹۳۲)

۲: ابوالزبیر (صحیح: ۱۸۸، نقل تصحیح: ۱۸۷، وقال فیہ: مدلس ۸۶۲)

۳: سفیان بن سعید الثوری (صحیح: ۴۰۲، ۵۱۵، راہ باتدلیس: حاشیہ حدیث ۳۸۴ ص ۱۹۴)

۴: مطلب بن عبد اللہ بن حطب

(نقل تصحیح: ابن خزیمہ: ۲۹۳، راہ باتدلیس: حاشیہ حدیث ۶۰۶ ص ۳۱۲)

راویوں کے بارے میں نیموی صاحب کے بعض تناقضات و تعارضات باحوالہ پیش کرنے
 کے بعد اب ان کی چند علمی خطائیں پیش خدمت ہیں:

ضعیف روایات

آثار السنن میں بہت سی ضعیف و مردود روایات کو حسن یا صحیح کہا گیا ہے جن میں سے
 بعض کے حوالے درج ذیل ہیں:

۱: ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک بلی نے ہریسہ نامی ایک حلوے میں سے کھایا پھر بعد میں
 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہیں سے کھایا جہاں سے بلی نے کھایا تھا۔ (سنن ابی داؤد: ۷۶)
 اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ”وإسناده حسن“
 اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۱۳)

حالانکہ اس روایت میں داود بن صالح بن دینار التمارکی ماں مجہولۃ الحال ہے۔ اس عورت کے بارے میں ابن الترمذی (حنفی) محدث طحاوی سے نقل فرماتے ہیں: وہ اہل علم کے نزدیک معروفہ نہیں (یعنی مجہولہ/مجہول) ہے۔ (الجوہر النقیح ج ۱ ص ۲۳۸) ۲: نیوی صاحب نے سنن ابی داود (۳۸۶) کی ایک روایت کو ”وإسناده حسن“ لکھا ہے۔ (آثار السنن: ۵۷)

حالانکہ اس روایت میں محمد بن کثیر الصنعانی المصیعی ضعیف راوی ہے اور خود نیوی صاحب نے اس پر کئی محدثین سے جرح (اور بعض سے توثیق) نقل کی ہے۔ دیکھئے آثار السنن (حاشیہ حدیث: ۶۰۶ ص ۳۱۲)

۳: ایک روایت میں آیا ہے کہ جب تُو وضو کرے تو بسم اللہ اور الحمد للہ کہہ الخ (المجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۷۳) اس روایت کے بارے میں نیوی صاحب نے حافظ بیہقی سے نقل کیا ہے۔

”إسناده حسن“ (آثار السنن: ۱۲۵) حالانکہ اس روایت کی سند میں ابراہیم بن محمد البصری نامعلوم و مجہول ہے۔

۴: ابو عمرو الندبی بشر بن حرب نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کی ہے جس کے بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں: ”رواہ أحمد وإسناده حسن“

اسے احمد (۵۰۶۲ ح ۵۱۱۲) نے بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۹۳) یہ روایت امام احمد کی سند سے خطیب بغدادی کی کتاب موضع اوہام الجمع والتفریق (۲/۲) میں بھی موجود ہے۔ اس روایت کا بنیادی راوی بشر بن حرب (مجہور محدثین کے نزدیک) ضعیف ہے۔ دیکھئے تحریر تقریب التہذیب (۶۸۱) اور تہذیب الکمال (۳۴۹/۱) زیلعی حنفی نے نصب الراية (۱۳۴۲) میں بشر بن حرب الندبی پر جرح نقل کی ہے۔

۵: سیدنا جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مصنف ابن ابی شیبہ (۴۱۲/۲ ح ۸۲۷) کی ایک روایت کے بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں:

”وإسناده صحيح“ اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۵۳۵)

حالانکہ اس کا راوی ابو سعد شریحیل بن سعد الممدنی الانصاری جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ پیشی فرماتے ہیں: ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا اور جمہور اماموں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۱۵/۴)

۶: صحیح کی دو سنتیں پڑھنے کی تاکید میں ایک روایت سنن ابی داود (۱۲۵۸) اور مسند احمد (۴۰۵/۲) میں آئی ہے، جس کے بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں:

”وإسناده صحيح“ (آثار السنن: ۷۰۸)

عرض ہے کہ اس روایت کی سند میں (جابر یا عبد ربہ) ابن سیلان مجہول الحال ہے جسے سوائے ابن حبان کے کسی نے ثقہ قرار نہیں دیا۔ حافظ ذہبی نے اسے لایعرف اور ابن القطان الفاسی نے ”حاله مجهولة“ قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ حافظ ابن حبان کو خود نیوی صاحب نے متساہل قرار دیا ہے۔ دیکھئے آثار السنن حاشیہ حدیث: ۳۵۴ ص ۱۶۳

اس کے باوجود صرف متساہل کی اکیلی توثیق پر اعتماد کر کے نیوی صاحب احادیث کو صحیح یا حسن قرار دیتے ہیں۔ (مثلاً دیکھئے ح ۱۳۱، ۱۴۹، ۱۵۰، ۶۸۲، ۷۳۸، ۷۴۱، ۷۹۵)

۷: لیث بن ابی سلیم نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے جس کے بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں: ”وإسناده صحيح“ (آثار السنن: ۸۷۴)

حالانکہ لیث بن ابی سلیم کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے زوائد ابن ماجہ للبوصیری (۲۰۸، ۲۳۰، ۴۱۷، ۱۹۰، ۲۱۸۹، ۲۹۷۲) البدر المنیر لابن الملقن (۱۰۴۲) خلاصۃ البدر المنیر (۷۸)

۸: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ رکوع سے پہلے قنوت وتر پڑھتے تھے۔ الخ (جزء رفع الیدین للبخاری: ۹۹ تحقیق)

اس موقوف روایت کے بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں: ”وإسناده صحيح“

(آثار السنن: ۶۳۵) حالانکہ اس روایت کی سند میں لیث بن ابی سلیم جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ دیکھئے حدیث سابق: ۷

۹: جمعہ کے دن کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث المعجم الاوسط للطبرانی (۱۵۱/۸) ح ۷۳۰۳) میں ہے جس کے بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں: ”وإسناده صحيح“ (آثار السنن: ۸۸۱ عن انس بن مالک رضي الله عنه)

اس روایت کی سند میں ضحاک بن حمزہ (صوابہ: حمزہ) ہے جو کہ ضعیف ہے۔
دیکھئے تقریب التہذیب (۲۹۶۶) اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔
۱۰: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں نو نو (۹، ۹) تکبیریں کہتے تھے، پہلی میں چار اور رکوع والی تکبیر، دوسری میں رکوع سمیت چار تکبیریں۔
دیکھئے المعجم الکبیر (۳۵۰/۹ ح ۹۵۱۳)
اس روایت کے بارے میں نیوی صاحب لکھتے ہیں:

”رواه الطبراني في الكبير وإسناده صحيح“ اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۹۹۹ عن کر دوس الخ)

اس روایت کی سند میں کر دوس مجہول الحال ہے اور عبد الملک بن عمیر مدلس ہیں جو اسے عن کے ساتھ روایت کر رہے ہیں۔

لطیفہ: آثار السنن کا ایک نسخہ فیض احمد دیوبندی کی تحقیق سے مکتبہ امدادیہ ملتان سے شائع ہوا ہے جس کے ص ۲۴۰ پر ح ۷۵۲ کے حاشیے کی تعلق پر لکھا ہوا ہے:

”لكن عبد الملك ابن عمير ربما دلس كما في التقريب وقد عنعنه فلا يدرى أنه سمعه من جابر أو بينهما رجل“

لیکن عبد الملک بن عمیر بعض اوقات تدلیس کرتے تھے جیسا کہ تقریب میں ہے اور یہ روایت انھوں نے عن سے بیان کی ہے لہذا پتا نہیں کہ انھوں نے یہ جابر (بن یزید) سے سُنی ہے یا ان کے درمیان کوئی (دوسرا) آدمی ہے۔ (ص ۲۴۰)

نیوی اصول کی رو سے ایک ہی راوی کبھی مدلس ہوتا ہے اور کبھی اس کی عن والی روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔ سبحان اللہ!

اس طرح کی اور مثالیں بھی ہیں جن میں ضعیف روایات کو نیوی صاحب نے حسن یا صحیح کہا ہے بلکہ بعض اوقات انھوں نے موضوع روایات کو بھی بطور استدلال ذکر کیا ہے، جس کی دو مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱: مسند بزار (کشف الاستار ۱/۱۳۰ ح ۲۴۶) میں یوسف بن خالد (السمتی) کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں نیوی صاحب نے حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے:

”إسناده حسن“ (آثار السنن: ۴۳)

اس یوسف بن خالد السمیتی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

”کذاب خبیث عدو اللہ رجل سوء، یخاصم فی الدین، لا یحدث عنه أحد فیہ خیر، رأیتہ ما لا أحصى بالبصرة“

کذاب، خبیث، اللہ کا دشمن (اور بُرا آدمی ہے، یہ دین میں جھگڑا کرتا ہے، جس میں خیر ہے وہ اس سے حدیث بیان نہیں کرتا، میں نے اسے بے شمار دفعہ بصرہ میں دیکھا ہے۔

(کتاب الضعفاء للعقيلي ۴/۴۵۳ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع ہے جسے حافظ ابن حجر نے تساہل کا شکار ہو کر حسن کہہ دیا ہے اور نیوی صاحب نے آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید کی ہے۔

۲: ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جمعہ کے دن ہر مسلمان کو بخش دیتا ہے۔

(الاوسط للطبرانی ۵/۴۱۲ ح ۴۸۱۴)

اس روایت میں امام طبرانی سے ابوعمار اور ابو عروہ کے تعین میں غلطی ہوئی ہے۔

ابوعمار سے مراد زیاد بن میمون البصری ہے۔ دیکھئے الکامل لابن عدی (۱۰۴۴/۳)

ابوعمار زیاد بن میمون الفاکہی کے بارے میں امام یزید بن ہارون نے کہا: کان کذاباً بالغ اور وہ جھوٹا تھا۔ (الجرح والتعذیل ۵۴۴/۳ وسندہ صحیح)

لہذا یہ روایت موضوع ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سند میں ابو عروہ مجہول و نامعلوم ہے۔

صحیح احادیث پر حملہ

نیوی صاحب نے راویوں کے بارے میں تناقضات اور ضعیف و مردود روایات کی تصحیح کے ساتھ صحیح احادیث کو بھی ضعیف و مضطرب قرار دینے کی جسارت فرمائی ہے مثلاً:

۱: ایک دفعہ نبی ﷺ نماز میں بھول گئے تو ذوالیدین (خرباق رضی اللہ عنہ) نے آپ کو بتایا تھا اور لوگوں نے ان کی تصدیق کی تھی، یہ حدیث صحیحین (صحیح بخاری: ۴۸۲، صحیح مسلم: ۵۷۳) میں موجود ہے۔ اس صحیح حدیث پر حملہ کرتے ہوئے نیوی صاحب لکھتے ہیں: یہ روایت اگرچہ صحیحین میں ہے لیکن کئی وجہ سے مضطرب (یعنی ضعیف) ہے۔

(آثار السنن: ۵۵۰)

۲: سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے اونچی آواز سے آمین کہی۔ (سنن ابی داود: ۹۳۲)

اس حدیث کو سلمہ بن کہیل رحمہ اللہ سے درج ذیل راویوں نے بیان کیا ہے:

۱: سفیان ثوری (آمین بالجہر)

۲: علاء بن صالح (آمین بالجہر)

۳: علی بن صالح راکب روایت میں (آمین بالجہر)

۴: یحییٰ بن سلمہ بن کہیل / متروک و مجروح (آمین بالجہر)

۵: شعبہ بن الحجاج (آمین بالسر) اور ایک روایت میں آمین بالجہر

سفیان ثوری کی بیان کردہ درج بالا حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: حسن

(سنن الترمذی: ۲۴۸)

امام دارقطنی نے صحیح قرار دیا۔ (سنن الدارقطنی: ۳۳۴)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے صحیح کہا۔ (التلخیص الجبر: ۲۳۶)

مگر نیوی صاحب امام شعبہ کے اختلاف کی وجہ سے اسے ”وہو حدیث مضطرب“

لکھتے ہیں یعنی یہ حدیث مضطرب (ضعیف) ہے۔ (آثار السنن: ۳۷۷)
 آگے جا کر یہی نبوی صاحب امام شعبہ کی روایت کے بارے میں تدلیسانہ انداز میں لکھتے
 ہیں: ”وإسناده صحيح وفي متنه اضطراب“ اور اس کی سند صحیح ہے اور اس کے متن
 میں اضطراب ہے۔ (آثار السنن: ۳۸۴)

عرض ہے کہ اگر متن میں اضطراب ہے تو سند صحیح نہیں ہے اور اگر سند صحیح ہے تو متن
 میں اضطراب کہاں سے آگیا؟ یاد رہے کہ نبوی صاحب فرماتے ہیں: ”الاضطراب
 يورث الضعف“ اضطراب سے ضعف ہونا نکلتا ہے۔ (آثار السنن ص ۷۷ حدیث ۵۸ کا حاشیہ)
 اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں مثلاً فاتحہ خلف الامام کی ایک صحیح حدیث محمد بن ابی عاتشہ
 (ثقة تابعی) عن رجل من اصحاب النبي ﷺ کی سند سے مروی ہے۔ (منداحمہ ۶۰/۵)
 اس حدیث کے بارے میں نبوی صاحب لکھتے ہیں: ”وإسناده ضعيف“ اور اس کی سند
 ضعیف ہے۔ (آثار السنن: ۳۵۶)

دوسری طرف محمد بن اسحاق بن یسار کی محمد بن جعفر عن عروہ بن زبیر کی سند سے ”عن
 امرأة من بني النجار“ والی روایت کے بارے میں نبوی صاحب نے حافظ ابن حجر سے
 ”إسناده حسن“ نقل کیا ہے۔ (آثار السنن: ۲۶۳)

مبلغ علم

نبوی صاحب نے استدلال کرتے ہوئے کئی ضعیف و مردود روایات کی تصحیح نقل کر
 کے طلباء و عوام کی خدمت میں پیش کر دی ہیں مثلاً:

۱: سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ
 نماز میں سلام پھیرنے کے بعد سورۃ الصّٰفّٰت کی آخری تین آیتیں پڑھتے تھے۔

(مسند ابی یعلیٰ ۲/۳۶۳ ح ۱۱۱۸، المقصد العلیٰ فی زوائد ابی یعلیٰ للہیثمی ۱/۱۴۴ ح ۲۹۹)

یہ روایت بیان کرنے کے بعد نبوی صاحب حافظ ہاشمی (مجمع الزوائد ۲/۱۴۷، ۱۴۸) سے نقل

کرتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (آثار السنن: ۴۷۹)

عرض ہے کہ یہ روایت ابو ہارون عمارہ بن جوین العبدی نے سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے نہ کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابو ہارون سخت مجروح راوی ہے۔ اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے گواہی دی: ”وكان عندهم لا يصدق في حديثه“ اور وہ ان (محدثین) کے نزدیک اپنی حدیثوں میں سچا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

(تاریخ ابن معین روایۃ عباس الدوري: ۳۶۲۴)

امام حماد بن زید نے کہا: ابو ہارون العبدی کذاب تھا۔ الخ (الجرح والتعديل ۳۶۲۶ وسندہ حسن) معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع ہے جسے غلطی سے حافظ شبی نے ”رجالہ ثقات“ لکھ دیا ہے اور نیموی صاحب نے بغیر تحقیق کے ان کی پیروی کی ہے۔

۲: سیدنا شبان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک حدیث میں صبح کی اذان، مؤذن اور سحری کا ذکر ہے جسے طبرانی (معجم الکبیر ۷/۳۱۲ ج ۲۲۸) نے روایت کیا ہے۔ نیز دیکھئے نصب الراية (۲۸۹/۱) اور مجمع الزوائد (۱۵۳/۳)

نیموی صاحب نے اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر سے بحوالہ الدرر (۱۲۰/۱) نقل کیا ہے کہ ”إسناده صحيح“ (آثار السنن: ۲۶۰)

عرض ہے کہ اسے قیس بن ربیع نے اشعث بن سوار سے، اشعث بن سوار نے عن یحییٰ بن عبادہ عن جدہ شبان کی سند سے روایت کیا ہے۔ قیس بن ربیع سے قطع نظر کرتے ہوئے اشعث بن سوار ضعیف راوی ہے۔ مثلاً دیکھئے تقریب التہذیب (۵۲۴) اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أشعث بن سوار ضعيف الحديث“ (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۴۹۴ ج ۱۱۴۶)

اس طرح کی مثالیں اور بھی ہیں لیکن ہمارا یہ مضمون طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے لہذا اختصار کے پیش نظر چند باتیں پیش کر کے اس تحقیقی مضمون کو سمیٹنا چاہتا ہوں۔

۱: نیموی صاحب نے ایک اصول بنایا ہے کہ مختلف فیہ راوی کی روایت حسن کے درجے

سے نہیں گرتی۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۱۰۱ حاشیہ حدیث: ۲۱۸)

دوسری طرف انھوں نے بہت سی ایسی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے جن کے راوی مختلف فیہ ہیں اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں مثلاً کامل بن العلاء ابو العلاء، محمد بن اسحاق بن یسار، اسامہ بن زید اللیشی اور عبید اللہ بن عمرو الرقی وغیرہم۔

۲: نیوی صاحب کو کئی جگہ حوالوں کی غلطیاں بھی لگی ہوئی ہیں مثلاً:

۱: نیوی صاحب فرماتے ہیں: ”ما رواه البخاري فيه أي في صحيحه...“

جو بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (آثار السنن ص ۲۶۷ حاشیہ حدیث: ۵۳۰)

حالانکہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے۔

۲: نیوی صاحب نے ”رمقت النبي ﷺ شهراً“ والی حدیث کو سوائے نسائی کے کتب خمسہ (سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد) کی طرف منسوب کیا ہے۔ (آثار السنن: ۱۰۷ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

حالانکہ یہ روایت سنن ابی داود میں موجود نہیں ہے اور حافظ مزنی نے بھی اسے صرف ترمذی، النسائی اور ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھئے تحفۃ الاشراف (۲/۲۹۷ ح ۳۸۸) لیکن یاد رہے کہ ایسی اخطاء، اوہام، اور سہو کی وجہ سے فریق مخالف کو کذاب وغیرہ کہنا غلط، زیادتی اور ظلم ہے کیونکہ اخطاء و اوہام سے کوئی اُمتی معصوم نہیں ہے۔

۳: الحسین بن الفضل البجلی نے صحیح سند کے ساتھ مشہور ثقہ تابعی عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ تین و تر پڑھتے تو ان کے درمیان نہ بیٹھتے اور تشہد صرف آخری رکعت میں پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۹ بحوالہ الحاکم)

مستدرک الحاکم کے مطبوعہ نسخے (۱/۳۰۵ ح ۱۱۴۲) میں غلطی سے الحسین بن الفضل البجلی کے بجائے الحسن بن الفضل چھپ گیا ہے جسے نیوی صاحب نے شدید جرح کا نشانہ بنایا ہے۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۳۲۲ حدیث: ۶۲۵ کا حاشیہ)

حسن بن فضل الزعفرانی البوصرائی ۲۸۰ھ میں فوت ہوا تھا (تاریخ الاسلام للذہبی ۲۰/۳۳۴،

لسان المیزان ۲/۲۴۴، دوسرا نسخہ ۲/۴۵۳) جبکہ الحسین بن الفضل الجبلی رحمہ اللہ ۲۸۲ھ یا ۲۸۳ھ کو فوت ہوئے تھے اور محمد بن صالح بن ہانی نے ان کا جنازہ پڑھایا تھا۔

دیکھئے تاریخ الاسلام (۱۶۴/۲۱) سیر اعلام النبلاء (۴۱۶/۱۳) مستدرک میں محمد بن صالح بن ہانی کی الحسین بن الفضل الجبلی سے تیس (۳۰) سے زیادہ روایتیں ہیں جن میں سے کئی کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ مثلاً دیکھئے ج ۱ ص ۱۹۰ ح ۶۸۲، ج ۲ ص ۱۴۲ ح ۶۲۳۰، ج ۲ ص ۲۵۱ ح ۲۹۹۳، ج ۲ ص ۲۸۹ ح ۳۱۴۳ وغیرہ۔

بعض روایات حسین بن الفضل الجبلی نے سلیمان بن حرب سے بیان کر رکھی ہیں۔ مثلاً دیکھئے المستدرک ج ۲ ص ۴۳۴ ح ۳۶۲۵، ج ۴ ص ۱۷۵ ح ۴۳۴۲ یہاں بطور تنبیہ عرض ہے کہ مستدرک کے مطبوعہ نسخے میں بعض جگہ الحسین بن الفضل الجبلی کے بجائے الحسن بن الفضل الجبلی غلطی سے چھپ گیا ہے۔ مثلاً دیکھئے المستدرک (ج ۱ ص ۵۶ ح ۱۸۵، ج ۲ ص ۲۲۱ ح ۲۸۷۵، ج ۳ ص ۶۱۹، ج ۶۲۰ ح ۶۶۰۰) اور اتحاف المبرہہ للحافظ ابن حجر (۴۷۳/۱۴، ۱۸۰/۳۱، ۶۰/۱۱ ح ۶۰۶۹۰) (۱۳۶۹۰)

نیوی صاحب نے روایت مذکورہ کی تحقیق کے بغیر الحسن بن الفضل الزعفرانی البوصرائی پر جرح کر دی ہے۔ دیکھئے آثار السنن (حاشیہ حدیث: ۶۲۵ ص ۳۲۲) حالانکہ یہ راوی الزعفرانی نہیں بلکہ الجبلی ہے اور جمہور کے نزدیک موثق ہے۔ اس کے حالات کے لئے لسان المیزان (۲/۳۰۷-۳۰۸) اور سیر اعلام النبلاء (۴۱۶-۴۱۴/۱۳) وغیرہ مادیکیں لہذا یہ سند حسن لذاتہ ہے۔

خلاصۃ التحقيق: اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالحی لکھنوی صاحب کے شاگرد شوق نیوی صاحب نے آثار السنن کی تصنیف میں انصاف و تحقیق سے کام نہیں لیا بلکہ مذہبی تعصب کی بنیاد پر جرح و تعدیل اور تصحیح و تضعیف کا مظاہرہ کیا ہے۔ (۴/جون ۲۰۰۸ء)

مصنف: حافظ ابن کثیر

مترجم: حافظ زبیر علی زئی

اختصار علوم الحديث (قسط نمبر ۲)

(۲) دوسری قسم: الحسن

جمہور کے نزدیک یہ (الحسن لذاتہ) صحیح کی طرح قابل حجت ہے۔ حقیقت میں نہیں بلکہ دیکھنے والے کی نظر میں یہ قسم صحیح اور ضعیف کے درمیان ہے لہذا اس فن (علم حدیث) کے بہت سے ماہرین پر اس کی تعریف اور ضبط مشکل ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ نسبتی معاملہ ہے، ایک چیز ایک حافظ حدیث کے نزدیک جرح ہوتی ہے (لیکن) کبھی کبھار اس کی عبارت (اسے بیان کرنے سے) قاصر رہتی ہے۔ بہت سے علماء نے اس کی تعریف بیان کرنے پر زور لگایا ہے۔

خطابی نے کہا: جس کا مخرج (سند) معلوم ہو اور اس کے راوی مشہور ہوں۔ (معالم السنن ۱۱۱) (ابن الصلاح نے) کہا: اکثر حدیثوں کا دار و مدار اسی پر ہے، جمہور علماء اسے قبول کرتے ہیں اور عام فقہاء اسے (اپنے دلائل میں) استعمال کرتے ہیں۔ میں (ابن کثیر) نے کہا: اگر اس کی تعریف ”جس کا مخرج معلوم ہو اور اس کے راوی مشہور ہوں“ کا قول ہے تو صحیح حدیث (بھی) اسی طرح ہوتی ہے بلکہ ضعیف بھی اسی طرح ہوتی ہے اور اگر باقی کلام سے تعریف مکمل ہوتی ہے تو یہ کلام کہ اکثر حدیثیں حسن کی قسم سے ہیں، قابل قبول نہیں ہے اور نہ اسے اکثر علماء قبول کرتے ہیں اور نہ عام فقہاء اسے استعمال کرتے ہیں۔

[ترمذی کا حسن کی تعریف کرنا]

ابن الصلاح نے کہا: ہمیں ترمذی سے روایت پہنچی ہے کہ وہ حسن سے یہ مراد لیتے ہیں: ”اس کی سند میں متہم بالکذب راوی نہ ہو، حدیث شاذ نہ ہو اور دوسری سند سے بھی اسی طرح مروی ہو۔“

(ابن کثیر نے کہا:) اگر یہ ترمذی سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا ہے تو کس کتاب میں کہا ہے؟ اور اس کی سند کہاں ہے؟^(۱) اور اگر انھوں (ابن الصلاح) نے ترمذی کی کتاب الجامع (السنن) کی اصطلاح سے سمجھا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ بہت سی احادیث میں کہتے ہیں: ”یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے ہی جانتے ہیں۔“

[حسن کی دوسری تعریفات]

شیخ ابو عمرو ابن الصلاح رحمہ اللہ نے کہا: بعض متاخرین (ابن الجوزی) نے کہا: جس حدیث میں (تھوڑا) ضعیف قابل احتمال ہو، وہ حدیث حسن ہے اور اس پر عمل کرنا ٹھیک ہے۔ پھر شیخ (ابن الصلاح) نے کہا: یہ سب چیزیں مبہم ہیں، ان سے تشفی نہیں ہوتی۔ ترمذی اور خطابی نے جو بیان کیا ہے اُس سے حسن کا صحیح سے علیحدہ ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ میں نے اس کی بحث و تحقیق میں خوب غور کیا تو مجھ پر صاف واضح ہوا کہ حسن کی دو قسمیں ہیں:

اول: وہ روایت جس کے راویوں میں ایسے مستور ہیں جن کی ثقاہت ثابت نہیں ہے لیکن وہ کثیر الخطأ غافل اور متہم بالکذب نہیں ہیں۔ اس حدیث کا متن یا مفہوم دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ اس طرح یہ روایت شاذ اور منکر کے درجے سے خارج ہے۔

پھر (ابن الصلاح نے) کہا: ترمذی کا کلام اسی پر محمول ہے۔ میں (ابن کثیر) نے کہا: ہم نے جو بیان کر دیا ہے اُس کی وجہ سے اس کلام کو اس پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے۔ واللہ اعلم دوم: اس کا راوی صدق (سچائی) اور امانت کے ساتھ مشہور ہو اور حفظ و اتقان (وثقاہت) میں صحیح حدیث کے راویوں کے درجے تک نہ پہنچا ہو۔ اس کی منفرد روایات کو منکر نہ سمجھا جاتا ہو اور روایت کا متن شاذ یا معلول نہ ہو۔ (ابن الصلاح نے) کہا: خطابی کا کلام اسی پر محمول ہے۔ (ابن الصلاح نے) کہا: ہم نے جو بیان کیا ہے اس سے دونوں

(۱) ترمذی کا یہ کلام ان کی کتاب العلل المطبوع مع الجامع ۷۵۸/۵ (وشرح ابن رجب ۳۴۰/۱) میں موجود ہے۔ والحمد للہ

(ترمذی وخطابی) کے کلام میں تطبیق ہو جاتی ہے۔^(۱) شیخ ابو عمرو (ابن الصلاح) نے کہا: حدیث کی بہت سی سندوں سے مروی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حسن ہے جیسے کہ ”الأذنان من الرأس“ (دونوں کان سر میں سے ہیں) والی حدیث ہے کیونکہ ضعف کے درجے مختلف ہیں، ان سے بعض ضعف متابعت سے زائل نہیں ہوتا یعنی شدید ضعف والی روایت تابع ہو یا متبوع، اس سے کوئی اثر نہیں ہوتا جیسے کذابین و متروکین کی روایات (ہر لحاظ سے مردود ہیں) بعض ضعف متابعت سے زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ راوی سی الحفظ (بڑے حافظے والا) ہو یا حدیث مرسل مروی ہو تو اس وقت متابعت فائدہ دیتی ہے اور حدیث ضعف کی گہرائیوں سے بلند ہو کر حسن یا صحیح کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔ واللہ اعلم

[حسن حدیث کی پہچان میں سنن ترمذی اصل ہے]

(ابن الصلاح نے) کہا: حدیث حسن کی پہچان میں سنن الترمذی اصل ہے، انھوں نے ہی اسے مشہور کیا ہے اور یہ (حدیث حسن) دوسرے لوگوں (یعنی) ان کے استادوں (اور ان سے پہلے طبقے) مثلاً احمد (بن حنبل) اور بخاری کے کلام میں پائی جاتی ہے اور اسی طرح بعد والے (علماء) مثلاً دارقطنی کے کلام میں یہ موجود ہے۔

[سنن ابی داود حسن حدیث کے مراجع و مآخذ میں سے ہے]

(ابن الصلاح نے) کہا: حسن حدیث کے مراجع و مآخذ میں سے سنن ابی داود (بھی) ہے۔ ہمیں ابوداود سے روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے اس (کتاب) میں صحیح، ان سے مشابہ اور قریب روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں شدید ضعف تھا میں نے اسے بیان

(۱) جس راوی پر بعض محدثین نے جرح کی ہو لیکن جمہور محدثین نے اس کی توثیق کر دی ہو تو ایسے راوی کی متصل روایت حسن لذاتہ ہوتی ہے بشرطیکہ وہ شاذ و معلول نہ ہو اور اس خاص روایت میں راوی کا وہم و خطا کرنا ثابت نہ ہو۔

(۲) امام احمد بن حنبل امام ترمذی کے استاذ نہیں ہیں، ابن الصلاح نے علوم الحدیث میں کہا ہے: ”و یوجد فی متفرقات من کلام بعض مشائخه و الطبقة التي قبله كأحمد و البخاری و غیرهما“ (ص ۳۲)

کردیا اور جس کے بارے میں میں نے کچھ نہیں کہا وہ صالح ہے، بعض روایتیں دوسری روایتوں سے زیادہ صحیح ہیں۔ (الرسالۃ الی اہل مکۃ لابن داود ص ۲۲)

(ابن الصلاح نے) کہا: اور ابو داود سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے علم کے مطابق ہر باب میں صحیح ترین روایت بیان کر دی ہے۔ میں (ابن کثیر) نے کہا: ابو داود سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: اور جس روایت سے میں سکوت کروں تو وہ حسن ہے۔

ابن الصلاح نے کہا: پس ہم سنن ابی داود میں جو روایت جرح کے بغیر پائیں اور وہ صحیحین میں موجود نہ ہو اور کسی نے اسے صحیح بھی نہ کہا ہو تو وہ ابو داود کے نزدیک حسن ہے۔

میں (ابن کثیر) نے کہا: ابو داود سے سنن کی بہت سی روایات مروی ہیں۔ بعض روایتوں میں ایسا کلام بلکہ احادیث موجود ہیں جو دوسری روایتوں میں نہیں ہیں۔

ابو عبیدہ آل جری (مجهول الحال) نے ایک مفید کتاب لکھی ہے جس میں اس نے جرح و تعدیل اور تصحیح و تضعیف میں ابو داود سے سوالات کئے ہیں۔ ان میں سے حدیثیں اور راوی ہیں جنہیں انھوں نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے پس ان کا قول ”اور میں جس سے سکوت کروں وہ (میرے نزدیک) حسن ہے“ اس سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے صرف سنن ابی داود میں یا مطلقاً سکوت مراد ہے؟ اس کے لئے تنبیہ اور بیداری ضروری ہے۔^(۱)

[بغوی کی کتاب المصانح]

(ابن الصلاح نے) کہا: (الحسین بن مسعود) بغوی اپنی کتاب ”المصانح“ میں جو ذکر کرتے ہیں کہ ”صحیح حدیث وہ ہے جسے بخاری و مسلم یا ان دونوں میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہے اور حسن وہ حدیث ہے جسے ابو داود و ترمذی اور ان جیسوں نے روایت کیا ہے۔“ ان کی خاص اصطلاح ہے جسے ان (بغوی) کے علاوہ کسی دوسرے نے ذکر نہیں کیا ہے۔

(۱) ابن الصلاح کا مذکورہ بالا قول صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ابو داود کا سکوت حسن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

نووی نے ان پر اس (اصطلاح) میں انکار کیا ہے کیونکہ بعض ایسی روایات منکر ہیں۔

[(بظاہر) صحتِ سند سے صحتِ حدیث لازم نہیں ہے]

(ابن الصلاح نے) کہا: کسی سند پر (ظاہر کے لحاظ سے) صحیح یا حسن کا حکم لگانے سے متن پر (صحیح و حسن کا) حکم لازم نہیں آتا کیونکہ یہ متن شاذ یا معلول ہو سکتا ہے۔^(۱)

[ترمذی کا ”حسن صحیح“ کہنا]

(ابن الصلاح نے) کہا: ترمذی کا یہ کہنا ”ہذا حدیث حسن صحیح“ مشکل ہے کیونکہ ان (حالات) کا ایک حدیث میں اکٹھا ہو جانا مشکل و ناممکن ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ (حسن صحیح) دو سندوں (۱) حسن (۲) صحیح کے لحاظ سے ہے۔!

میں (ابن کثیر) کہتا ہوں: یہ اس لئے مردود ہے کہ ترمذی بعض احادیث کے بارے میں کہتے ہیں: ”یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔“ بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث متن کے لحاظ سے حسن اور سند کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے۔! اس میں بھی نظر ہے کیونکہ وہ (ترمذی) صفتِ جہنم، حدود و قصاص وغیرہ والی روایتوں کے بارے میں ایسا کلام کرتے ہیں۔

میرے سامنے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حسن کو صحیح میں اور صحیح کو حسن میں ملا دیتے ہیں، اس لحاظ سے وہ جس کو ”حسن صحیح“ کہتے ہیں وہ روایت ان کے نزدیک حسن سے بلند اور صحیح سے نیچے ہوتی ہے۔ ان کا کسی حدیث کو محض صحیح کہنا ”حسن صحیح“ کہنے کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے۔ واللہ اعلم

(۱) سند حدیث پر ماہر محدث کا ”سندہ صحیح لذاتہ“ یا ”سندہ حسن لذاتہ“ کا حکم لگا دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث کا متن بھی بالکل صحیح اور موجبِ عمل و ایمان ہے۔ اس حکم سے صرف وہی حدیث مستثنیٰ ہے جس کا شاذ، معلول اور ضعیف و مردود ہونا اصول حدیث اور محدثین کرام سے ثابت ہو جائے۔ جس سند میں وجہ ضعف ہی موجود نہیں ہے تو اس کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

حافظ زبیر علی زئی

صحیح الاقوال فی استحباب صیام ستہ من شوال

[شوال کے چھ روزے صحیح و صریح احادیث سے ثابت ہیں لیکن حال ہی میں کراچی کے مفتی زرولی خان دیوبندی نے ”احسن المقال فی کراہیہ صیام ستہ شوال“ (شوال کے چھ روزوں کے مکروہ ہونے کی تحقیق) نامی کتابچہ لکھ کر عوام میں یہ تاثر پھیلانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یہ احادیث غیر صحیح اور غیر صریح ہیں۔ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے بروقت قلم اٹھا کر مفتی صاحب کی تحریر کا زبردست محاسبہ کیا ہے بلکہ ساتھ ہی صحیح موقف کی وضاحت بھی فرمادی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً / حافظ ندیم ظہیر]

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد :

سیدنا ابوالیوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اتَّبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ.))

جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد اس نے شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزے رکھنے (کے ثواب) کی طرح ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۴، دارالسلام: ۲۷۵۸، صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۱۴، صحیح ابن حبان: ۳۶۲۶، ۳۶۳۴، صحیح ابی عوانہ: القسم المفقود ص ۹۴، ۹۵، سنن الترمذی: ۷۵۹) وقال: ”حدیث حسن صحیح“، شرح الزیلعی للبغوی ۶/ ۳۳۱ ج ۸۰، ۱، وقال: ”هذا حديث صحيح“

اس حدیث کو درج ذیل اماموں نے صحیح قرار دیا ہے:

① امام مسلم ② امام ابن خزیمہ ③ امام ترمذی ④ حافظ ابوعوانہ

⑤ حافظ ابن حبان ⑥ حافظ حسین بن مسعود البغوی رحمہم اللہ

میرے علم کے مطابق کسی امام سے اس روایت کو ضعیف قرار دینا ثابت نہیں ہے۔

اب اس حدیث کے راویوں کا مختصر و جامع تذکرہ پیش خدمت ہے:

۱: سیدنا ابوالیوب خالد بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ مشہور بدری صحابی ہیں جو (دو صحابہ کے

آخری) غزوہ قسطنطنیہ میں ۵۰ھ یا اس کے بعد فوت ہوئے۔

۲: عمر بن ثابت بن الحارث الخزرجی الانصاری المدنی رحمہ اللہ

حافظ ابن حبان نے آپ کو کتاب الثقات (۱۴۹/۵) میں ذکر کیا۔ امام عجل نے کہا: مدنی تابعی ثقہ (تاریخ الجلی: ۱۳۳۳) ابن شاہین نے انھیں کتاب اسماء الثقات (۶۹۳) میں ذکر کیا۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن خزمیہ، حافظ ابو عوانہ اور حافظ بغوی نے ان کی حدیث کو صحیح قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا: ثقہ (تقریب التہذیب: ۴۷۸۰) فائدہ: اگر کوئی محدث کسی حدیث کو (مطلقاً) صحیح کہے تو یہ اس کی طرف سے اس حدیث کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔

۱: ابن القطان الفاسی (متوفی ۶۲۸ھ) لکھتے ہیں:

”وفي صحيح الترمذي إياه توثيقها و توثيق سعد بن إسحاق ولا يضر الثقة أن لا يروي عنه إلا واحد، والله أعلم“

اس حدیث کو ترمذی کا صحیح کہنا اس (زینب بنت کعب) اور سعد بن اسحاق کی توثیق ہے۔ ثقہ کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ اُس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہے۔ واللہ اعلم (بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام ج ۵ ص ۳۹۵ ح ۲۵۶۲، نصب الراية للزيلعي ۲۶۴/۳)

۲: تلقی الدین بن دبیق العید نے کتاب الامام میں کہا: ”وأي فرق بين أن يقول: هو ثقة أو يصحح له حديث انفرد به“ اس میں کیا فرق ہے کہ راوی کو ثقہ کہے یا اس کی منفرد حدیث کو صحیح کہے۔ (نصب الراية ج ۱ ص ۱۴۹)

جمہور کی اس توثیق کے مقابلے میں عمر بن ثابت تابعی رحمہ اللہ پر کسی محدث کی جرح ثابت نہیں ہے اور اگر ایک دو سے جرح ثابت بھی ہو جاتی تو جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود تھی۔

تنبیہ نمبر ۱: عمر بن ثابت نے یہ روایت سیدنا ابویوب رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔

دیکھئے صحیح مسلم: ۱۱۶۴، ترقیم دار السلام: ۲۷۵۹، ۲۷۶۰

تنبیہ نمبر ۲: محمد زرولی دیوبندی تقلیدی نے بغیر کسی دلیل کے لکھا ہے: ”اور طبرانی کی

روایت میں عمر بن ثابت ہے اور وہ ضعیف ہے۔“ (احسن المقال فی کراہیۃ صیام ستہ شوال ص ۲۶)
 زرولی تقلیدی کا یہ قول امام مسلم، امام عجمی اور امام ترمذی وغیرہم کی توثیق کے مقابلے
 میں مردود ہے۔

زرولی نے روایت مذکورہ کے بارے میں لکھا ہے: ”جبکہ خود امام ترمذی نے اس کو صحیح
 کے بجائے صرف حسن درجہ کا تسلیم کیا ہے۔“ (احسن المقال ص ۲۵) حالانکہ امام ترمذی نے
 ”حدیث ابی ایوب حدیث حسن صحیح“ لکھا ہے۔

دیکھئے سنن الترمذی مع العرف الشذی (ص ۱۵۸ ج ۱) دوسرا نسخہ (ج ۱ ص ۹۴) معارف السنن
 (ج ۵ ص ۴۴۴) تحفۃ الاحوذی (ج ۲ ص ۵۹)

سنن ترمذی کے بعض نسخوں میں حسن کا لفظ بھی ہے۔ واللہ اعلم
 عمر بن ثابت رحمہ اللہ سے یہ حدیث درج ذیل راویوں نے بیان کر رکھی ہے:

۱: سعد بن سعید بن قیس (صحیح مسلم: ۱۱۶۴، ۵۸۸، ۲۷۵۸، سنن الترمذی: ۵۹۷۰) وقال: ”حسن صحیح“، صحیح ابن خزمیہ:

۲۱۱۴، صحیح ابن حبان: ۳۶۳۴، شرح السنۃ للبیہقی: ۱۷۸۰، وقال: ”هذا حدیث صحیح“، وغیرہ)

۲: صفوان بن سلیم (مسند الحمیدی تحقیق: ۳۸۳، نسخہ دیوبندیہ: ۳۸۰)

۳: زید بن اسلم (مشکل الآثار للطحاوی: ۲۳۴۳)

۴: یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری (مسند الحمیدی: ۳۸۲، مشکل الآثار: ۲۳۴۶)

سعد بن قیس مختلف فیہ راوی ہیں، امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام نسائی وغیرہ نے
 اُن پر جرح کی ہے لیکن امام مسلم، امام عجمی، ابن سعد، ابن عدی، ابن حبان اور امام ابن خزمیہ
 وغیرہ جمہور نے اُن کی توثیق کی ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”أحد الثقات“ وہ ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ۴۸۲/۵)

ایسا راوی جس کی جمہور محدثین نے توثیق کی ہو وہ حسن الحدیث کے درجے سے کم
 نہیں ہوتا لہذا سعد بن سعید بن قیس حسن الحدیث ہیں۔

تین ثقہ راویوں نے ان کی متابعت کر رکھی ہے:

صفوان بن سلیم (ثقة مفتی عابد، رمی بالقدر) زید بن اسلم (ثقة عالم) اور یحییٰ بن سعید الانصاری (ثقة ثبت) لہذا سعد بن سعید پر تفرد کا الزام باطل ہے۔

صفوان بن سلیم کی روایت درج ذیل کتابوں میں صحیح سند سے موجود ہے:

مسند الحمیدی (تحقیق: ۳۸۳ و سندہ صحیح) سنن ابی داود (۲۴۳۳) السنن الکبریٰ للنسائی (۲۸۶۳ ح ۱۶۳۲) سنن الدارمی (۱۷۶۱) صحیح ابن خزیمہ (۲۱۱۴) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۶۲۶ ح ۳۶۲۶) شرح مشکل الآثار للطحاوی (۲۳۴۲ ح ۱۲۳۶) المعجم الکبیر للطبرانی (۳۹۱۱ ح ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷)

صفوان بن سلیم کے شاگرد عبد العزیز بن محمد الدر اور دی جہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق اور صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ سنن ابی داود (۳۵۳) کی ایک روایت کو حافظ ابن حجر نے حسن قرار دیا ہے جس میں در اور دی ہیں اور نیموی تقلیدی نے آثار السنن (۹۰۸) حدیث ابن عباس (رضی اللہ عنہ) میں اسے نقل کر کے خاموشی اختیار کی ہے۔

حافظ ابن حبان اور امام ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

معتدل امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ”مدني ثقة“ (التاريخ للعلی: ۱۱۱۴)

زید بن اسلم کی روایت درج ذیل کتاب میں صحیح سند سے موجود ہے:

شرح مشکل الآثار (۲۳۴۳ و سندہ صحیح)

اس میں عبد العزیز بن محمد الدر اور دی ثقہ و صدوق ہیں، ان کے شاگرد سعید بن منصور ثقہ حافظ ہیں اور ان کے شاگرد یوسف بن یزید بن کامل القراطیسی ثقہ ہیں۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۷۸۹۳)

یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری کی روایت درج ذیل کتابوں میں حسن سند سے موجود ہے:

السنن الکبریٰ للنسائی (۲۸۶۶ و قال: ”عنه هذا ليس بالقوي“) مشکل الآثار (۲۳۴۶) المعجم الکبیر

للطبرانی (۳۹۱۵ ح ۱۳۶، ۱۳۷) مسند الحمیدی (۳۸۴)

یہی بن سعید الانصاری سے یہ حدیث دوراویوں نے بیان کی ہے:
۱: عبد الملک بن ابی بکر (بن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام) ثقہ ہیں۔

(تقریب التہذیب: ۴۱۶)

دیکھئے السنن الکبریٰ للنسائی (۲۸۶۶) و تکلم فی عتبہ بن ابی حکیم
عبد الملک بن ابی بکر سے یہ حدیث عتبہ بن ابی حکیم نے بیان کی ہے۔
عتبہ بن ابی حکیم مختلف فیہ راوی ہیں لیکن جمہور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے لہذا ان پر امام
نسائی کی جرح صحیح نہیں ہے۔

تحریر تقریب التہذیب میں لکھا ہوا ہے: ”بل: صدوق حسن الحدیث...“

بلکہ وہ صدوق حسن الحدیث ہیں۔ (۴۲۹/۲ ت ۴۲۲)

لہذا یہ سند حسن ہے۔

۲: اسماعیل بن ابراہیم (بن میمون) الصائغ (مسند الحمیدی: ۳۸۴)

حافظ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے لیکن صاحب لسان نے امام بخاری سے
”سکتوا عنہ“ (یہ متروک ہے) کی جرح نقل کی ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (۳۹۱/۱)،
دوسرے نسخہ ۶۰۱/۱ یہ جرح امام بخاری سے با سند صحیح ثابت نہیں ہے۔ مثلاً دیکھئے التاریخ الکبیر
(۳۴۱/۱) اسماعیل بن ابراہیم سے ایک جماعت نے روایت بیان کی ہے اور ابو حاتم
الرازی نے کہا: ”شیخ“ (الجرح والتعديل ۱۵۲/۲)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ راوی مجہول الحال ہے لہذا یہ سند ضعیف ہے لیکن شواہد کے ساتھ حسن و صحیح ہے۔
اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابویوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں
شوال کے چھ روزوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، بلحاظ سند صحیح ہے۔

دوسری حدیث: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صيام شهر بعشرة أشهر وستة أيام بعد هن بشهرين فذلك تمام سنة))

یعنی شہر رمضان و ستہ ايام بعدہ .

رمضان کے روزے دس مہینوں کے برابر ہیں اور اس کے بعد چھ روزے دو مہینوں کے برابر ہیں، اس طرح سے پورے سال کے روزے بنتے ہیں۔

(سنن الدارمی: ۱۷۶۲۔ وسندہ صحیح، سنن ابن ماجہ: ۱۷۱۵، صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۱۵، صحیح ابن حبان: ۳۶۳۵،

السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۸۶۱، مسند احمد: ۲۸۰۷، وغیرہ)

اس حدیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہا نے صحیح قرار دیا ہے۔ اب اس کے راویوں کا تذکرہ پیش خدمت ہے:

۱: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

۲: ابواسماء عمرو بن مرثد الرجبی صحیح مسلم کے راویوں میں سے اور ثقہ ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۵۱۰۹)

۳: یحییٰ بن الحارث الذماری ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب ۷۵۲۲)

۴: یحییٰ بن حمزہ بن واقد الحضرمی الدمشقی صحیحین کے راوی اور ”ثقة رومی بالقدر“ ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۵۳۶)

جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ راوی پر قول رائج میں رومی بالقدر والی جرح مردود ہوتی ہے۔
۵: یحییٰ بن حسان التمیمی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۵۲۹)
معلوم ہوا کہ یہ سند صحیح ہے لہذا اس کے ساتھ سیدنا ابویوب رضی اللہ عنہ والی حدیث اور بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ والحمد للہ

ان دو حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ شوال کے چھ روزے رکھنا بڑے ثواب کا کام ہے اور زرولی دیوبندی تقلیدی کا انھیں ضعیف قرار دینا اور شوال کے چھ روزوں کو مکروہ سمجھنا باطل و مردود ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”أنا محمد بن عبد الله بن عبد الحكم قال: حدثنا أبو عبد الرحمن المقرئ قال: حدثنا شعبة بن الحجاج عن عبد ربه بن سعيد عن عمر بن ثابت عن أبي أيوب الأنصاري أنه قال: من صام شهر رمضان ثم

أتبعه ستة أيام من شوال فكأنما صام السنة كلها“
ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے سارا سال روزے رکھے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ۲/۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۸۶)

اس موقوف روایت کی سند صحیح ہے۔ عبد ربہ بن سعید بن قیس ثقہ اور صحیحین کے راوی ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۷۸۶) اور ان تک سند صحیح ہے۔

معلوم ہوا کہ مرفوع حدیث کے ساتھ ان روزوں کی فضیلت آثار صحابہ سے بھی ثابت ہے۔
تنبیہ نمبر ۱: سارا سال روزے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو سارا سال روزے رکھنے کا ثواب ملتا ہے۔

تنبیہ نمبر ۲: شوال کے چھ روزوں کو مکروہ یا ممنوع سمجھنا امام ابو حنیفہ سے با سند صحیح ثابت نہیں ہے۔ زرولی دیوبندی نے فقہ کی کتابوں سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تنبیہ نمبر ۳: امام مالک نے موطاً امام مالک میں فرمایا ہے کہ انھوں نے علماء و فقہاء میں سے کسی کو یہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور علماء اسے مکروہ سمجھتے ہیں.... الخ (ج ۱ ص ۳۱۱ تحت ح ۶۹۹) یہ قول اس کی دلیل ہے کہ امام مالک تک درج بالا دونوں صحیح حدیثیں اور سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نہیں پہنچا ورنہ وہ کبھی یہ الفاظ نہ بیان فرماتے۔ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے مقابلے میں ہر امام کا فتویٰ مردود ہوتا ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا امام ہو۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی تقلیدی نے کیا خوب لکھا ہے کہ ”مسند مرفوع اور صحیح حدیث کے مقابلے میں دس ہزار تو کیا دس لاکھ بلکہ دس ارب و کھرب حضرات کی بات بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ علمی قاعدہ تو یہ ہے کہ کل احادیث و غیرہ و غیرہ الا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ (اتمام البرہان فی رد توضیح البیان ص ۳۸۹)

(۲۶/ مئی ۲۰۰۸ء)

وما علینا الا البلاغ

کلمۃ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

دین میں غلو کرنا کبیرہ گناہ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ﴾
 کہہ دو، اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ایسی قوم کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہوئے، انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا اور خود بھی سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ (المائدہ: ۷۷)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! دین میں غلو نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ یقیناً دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۰۲۹ وسندہ صحیح، وصحیح ابن خزیمہ: ۲۸۶۷ وابن حبان، الموارد: ۱۰۱، والحاکم ۴۶۶/۱ ووافقه الذہبی)
 حافظ ابن حزم نے دین میں غلو کرنے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔

(الکبائر للذہبی تحقیق مشہور بن حسن ص ۵۰۱ ج ۵۷)

حد سے زیادتی اور تشدد کو غلو کہا جاتا ہے یعنی جو امور کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت نہیں ان میں سلف صالحین اور علمائے حق کے فہم کو چھوڑتے ہوئے ایسا راستہ اختیار کرنا جو سراسر شریعت کے خلاف ہے مثلاً عیسائیوں کا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا، مُردہ یا زندہ بزرگوں کی محبت میں تجاوز کرتے ہوئے انھیں مقامِ الوہیت پر بٹھانا، دورانِ حج جمرات کو سات کنکریاں مارنا مسنون ہیں مگر سات کے بجائے آٹھ یا دس کنکریاں مارنا، ایسے مسئلے گھڑنا جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے مثلاً نماز پاک جوتوں کے ساتھ اور بغیر جوتوں کے دونوں طرح صحیح ہے مگر بعض لوگوں کا جوتوں کے ساتھ ہی نماز کو ضروری سمجھنا وغیرہ، یہ سب غلو کی قسمیں ہیں۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے غلو کو کبار میں شمار کرتے ہوئے فرمایا: مخلوق کے بارے میں غلو کرنا حتیٰ کہ اس کے مقام سے تجاوز کیا جائے اور بعض اوقات یہ غلو گناہ کبیرہ سے شرک کی طرف لے جاتا ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۴ ص ۴۷)

حافظ زبیر علی زئی

اللہ تعالیٰ کا احسان اور امام اسحاق بن راہویہ کا حافظہ

امام ابراہیم بن ابی طالب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام اسحاق بن ابراہیم الحنظلی (یعنی اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ) اپنی کتاب مسند زبانی لکھواتے تھے، ایک دفعہ مجھ سے مسند سننے کی ایک مجلس رہ گئی تو میں کئی دفعہ آپ کے پاس گیا تاکہ آپ وہ حصہ مجھے دوبارہ سنا دیں مگر آپ عذر بیان کر دیتے تھے۔ میں ایک دفعہ آپ کے پاس گیا تاکہ یہ رہ جانے والا حصہ دوبارہ سن لوں۔ اس دوران میں آپ کے پاس دیہات سے اندرائن کے پھل (تنبے) آئے تھے، آپ نے مجھے فرمایا: آپ ان لوگوں کے پاس ٹھہریں اور ان اندرائن کا وزن لکھیں پھر جب میں فارغ ہو گیا تو مسند کا فوت شدہ حصہ تمہیں دوبارہ سنا دوں گا۔ ابراہیم بن ابی طالب کہتے ہیں: میں نے یہ کام کر لیا اور فارغ ہونے کے بعد آپ کو بتا دیا۔ وہ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے تھے پھر میں آپ کے ساتھ چلتا رہا حتیٰ کہ آپ اپنے گھر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ میں نے کہا: آپ نے فوت شدہ حصہ دوبارہ سنانے کا وعدہ کیا تھا؟ آپ نے پوچھا: اس مجلس کی پہلی حدیث کیا تھی؟ میں نے آپ کو بتایا تو آپ نے دروازے کی دونوں چوکھٹوں کے درمیان کھڑے ہو کر ساری مجلس آخر تک زبانی سنا دی۔ انھوں نے ساری مسند زبانی لکھوائی تھی اور دوبارہ بھی یہ ساری کتاب زبانی لکھوائی تھی۔ (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۵۴ و سندہ صحیح)

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کو کتنا عظیم الشان حافظہ عطا فرمایا تھا کہ آپ اپنی کتاب مسند اسحاق بن راہویہ ساری کی ساری ہمیشہ زبانی لکھوایا کرتے تھے اور کبھی کسی روایت میں غلطی نہیں آئی۔ مسند اسحاق بن راہویہ مکمل حالت میں فی الحال تو مفقود ہے مگر اس کی چوتھی جلد قلمی حالت میں موجود ہے۔ اس قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ ہمیں حاصل ہوئی ہے جس کے تین سو چھ (۳۰۶) صفحات ہیں۔ غور کریں کہ کتنی بڑی مسند اسحاق بن راہویہ تھی اور امام اسحاق کا کیسا عظیم حافظہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ جس نے ایسے لوگ پیدا کر کے اپنے دین کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا۔